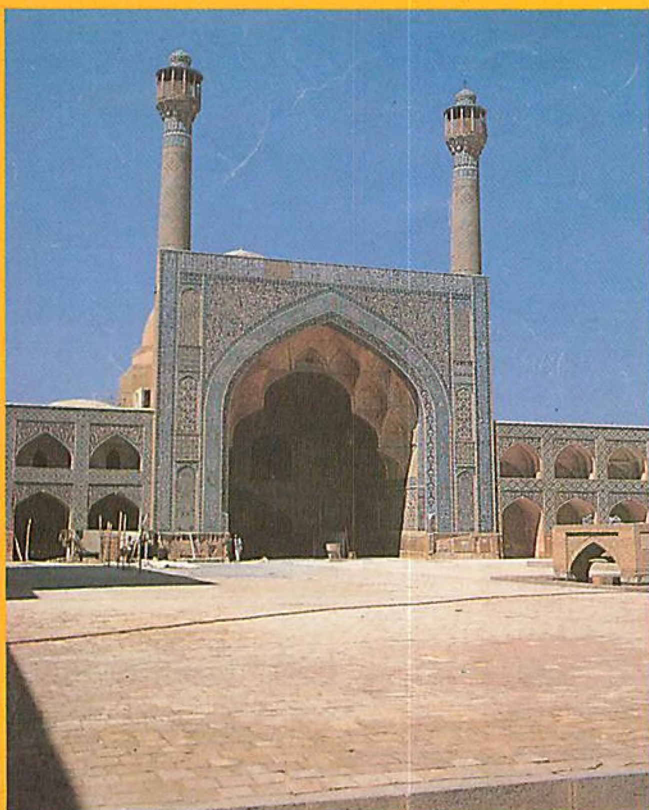
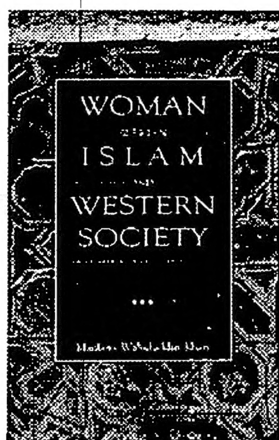
الرسالہ
Al-Risala

October 1995 • Issue 227 • Rs. 7

ارادہ کی طاقت پیسہ کی طاقت سے زیادہ ہے
پیسہ اگر پاور ہے تو ارادہ سُپر پاور۔



The Masjid-i Jum'eh, Isfahan, Iran



WOMAN BETWEEN ISLAM AND WESTERN SOCIETY

By Maulana Wahiduddin Khan

The status of woman in Islam is the same as that of man. Injunctions about honour and respect enjoined for one sex are enjoined equally for the other sex. So far as rights in this world and rewards in the Hereafter are concerned, there is no difference between the sexes. In the organization of daily living, both are equal participants and partners. Yet Islam sees man as man and woman as woman and, considering the natural differences, it advocates the principle of the division of labour between the two sexes rather than the equality of labour.

Pages: 256. Price Rs. 95
ISBN 81-85063-75-3

AL-RISALA BOOKS
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel. 4611128, 4697333 Fax: 91-11-4697333

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

اکتوبر ۱۹۹۵ ، شمارہ ۲۲۷

صبر و توکل	۴	انتظامی حکمت	۹
عافیت کی زندگی	۵	ذاتی ذمہ داری	۱۰
گھر سے محرومی	۶	ایک شرعی مسئلہ	۱۱
نتیجہ خیز کام	۷	ایک سفر	۲۳
دعوت اور اصلاح	۸	خبرنامہ اسلامی مرکز	۴۸

AL-RISALA (Urdu)
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013, Tel. 4611128, 4697333
Fax: 91-11-4697333
Single copy Rs. 7, Annual subscription Rs. 70, Abroad: $ 20 (Air mail), $ 10 (Surface mail)
Printed and published by Saniyasnain Khan at Nice Printing Press, Delhi

صبر و توکل

والذین هاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنہم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ الذین صبروا و علی ربہم یتوکلون (النحل ۴۱-۴۲)

اور جن لوگوں نے اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑا، بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے، کاش وہ جانتے۔ وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے ساتھ توکل کا نہایت گہرا تعلق ہے۔ صبر ایک عظیم دینی عمل ہے۔ مگر اس دنیا میں صبر کی روش پر وہی لوگ قائم رہ سکتے ہیں جو اللہ رب العٰلمین کی ذات پر بے پناہ بھروسہ رکھتے ہوں۔

اس آیت میں جن اہل ایمان کا ذکر ہے، یہ وہ لوگ تھے جن پر ان کے مخالفوں نے ظلم کیا۔ مگر وہ منفی ردعمل میں مبتلا نہیں ہوئے۔ ان کے اندر یہ جذبہ نہیں بھڑکا کہ وہ ظالموں کو سبق سکھائیں۔ یا ان سے ان کے ظلم کا انتقام لیں۔ اس کے بجائے انھوں نے یہ کیا کہ خاموشی کے ساتھ اس مقام سے ہٹ گئے جہاں ان کے اوپر ظلم ہو رہا تھا۔ وہ انسانوں سے الجھنے کے بجائے خدا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ان کے اس عمل، ہجرت کو قرآن میں صبر کہا گیا۔ اور پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا پر توکل کرنے والے ہیں۔ صبر کے ساتھ توکل کا ذکر نہایت اہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی آدمی صبر کے طریقہ پر قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے اندر توکل علی اللہ کی صفت نہ ہو۔

ناموافق صورت حال پیش آنے کے بعد جو آدمی بے برداشت ہو کر لڑنے لگے، وہ اپنی اس روش سے ثابت کرتا ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کو جانتا تھا۔ وہ خدا کی برتر طاقتوں سے واقف نہ تھا۔ اگر وہ خدا کی خدائی کو اور اس کے وعدوں کو جانتا تو وہ صبر کرتا۔ کیوں کہ اس کو یقین ہوتا کہ صبر کر کے میں زیادہ بڑی طاقت کو اپنے مخالف کے مقابلہ میں کھڑا کر رہا ہوں۔ یہ طاقت خود مالک کائنات کی ہے جس کی پکڑ سے بچنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں۔

عافیت کی زندگی

لما قدم حاتم الاصم الى الامام احمد قال له الامام: اخبرني كيف السلامة من الناس. فقال حاتم بثلاثة اشياء: تعطيهم من مالك ولا تاخذ من مالهم وتقضي لهم حقوقهم ولا تطالبهم بحقوقك وتصبر على اذاهم ولا تؤذيهم (الدعوة الرياض، ۲۰ ذي القعدة ۱۴۱۵ھ)

حاتم اصم جب امام احمد کے پاس آئے تو امام احمد نے ان سے کہا کہ مجھے بتائیے کہ لوگوں سے محفوظ کیسے رہا جائے۔ حاتم اصم نے کہا کہ تین چیزوں کے ذریعہ سے۔ ان کو اپنا مال دیں مگر خود ان کا مال نہ لیں۔ لوگوں کے حقوق ادا کریں مگر اپنے حقوق ان سے نہ مانگیں۔ لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کریں اور خود ان کو ایذا نہ پہنچائیں۔

ان تینوں باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ یک طرفہ طور پر لوگوں کو یہ احساس دلا دیں کہ وہ آپ سے پوری طرح محفوظ ہیں۔ اس کے بعد آپ بھی ان سے پوری طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ لوگوں کو یہ احساس تین تدبیروں کے ذریعہ دلایا جا سکتا ہے۔

لوگوں کے پاس جو کچھ ہے، اس سے اپنے آپ کو مستغنی بنا لیں۔ مگر آپ کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے آپ لوگوں کو حسب توفیق ان کا حصہ پہنچاتے رہیں۔ آپ لوگوں سے لینے والے نہ بنیں، اس کے بجائے آپ لوگوں کو دینے والے بن جائیں۔

لوگوں کا جو حق آپ کے اوپر ہو اس کی ادائیگی میں آپ کوئی کوتاہی نہ کریں۔ مگر دوسروں کے اوپر آپ کا جو حق آتا ہو، اس کو دوسروں سے وصول کرنے کی کبھی کوئی مہم نہ چلائیں۔

معاشرتی زندگی میں بار بار ایسا ہوگا کہ دوسروں کی طرف سے آپ کو تکلیف پہنچے گی۔ اس طرح کے مواقع پر آپ یک طرفہ صبر و تحمل کی پالیسی کو اختیار کر لیں، آپ صرف اتنا ہی نہ کریں کہ دوسروں کو آپ ایذا نہ پہنچائیں، بلکہ اس سے بڑھ کر آپ کا رویہ یہ بن جائے کہ دوسروں کی ایذاؤں پر آپ صبر کر لیں، آپ لوگوں سے بدلہ لئے بغیر انھیں معاف کر دیں۔

دنیا میں عافیت کی زندگی حاصل کرنے کا یہی واحد یقینی نسخہ ہے۔ اس کے سوا جو تدبیر اختیار کی جائے گی وہ امن و عافیت دینے والی نہیں بن سکتی۔

گھر سے محرومی

۲۸ مارچ ۱۹۹۵ کو دہلی میں ایک بڑا دردناک واقعہ ہوا۔ مسز اندو واہی (۶۱ سال) نے کستوربا گاندھی مارگ کی بلڈنگ (ایشیا ہاؤس) کی آٹھویں منزل سے کود کر خودکشی کرلی۔ نیچے آتے ہی ان کا پورا جسم کچل اٹھا اور فوراً ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

مسز اندو واہی آل انڈیا ریڈیو کے ہندی شعبہ میں چیف نیوز ریڈر تھیں۔ پچھلے سال ان کو وہاں سے ریٹائرمنٹ مل گیا۔ ایشیا ہاؤس ایک سرکاری بلڈنگ ہے۔ اس کی پہلی منزل پر ان کو دو کمروں کا ایک فلیٹ برائے رہائش ملا ہوا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اب انھیں یہ فلیٹ خالی کرنا تھا جس میں وہ پچھلے ۲۰ سال سے رہ رہی تھیں۔ فلیٹ چھوڑنے کی آخری تاریخ ۳۱ مارچ تھی۔ ان کے شوہر کا انتقال ۱۹۸۹ میں ہوگیا تھا۔ اب وہ اپنی بیٹی سونیا اور اپنے داماد اشوک کمار کے ساتھ یہاں رہ رہی تھیں (ہندستان ٹائمس ۲۹ مارچ ۱۹۹۵)

ریٹائرمنٹ کے بعد اندو واہی بہت پریشان تھیں۔ انھوں نے اگرچہ جمنا پار کی ریڈیو کالونی میں اپنا ایک گھر بنا لیا تھا۔ مگر ان کو یہ خیال پریشان کئے ہوئے تھا کہ موجودہ سرکاری فلیٹ کناٹ پلیس کے علاقہ میں ہے اور اس کی وجہ سے انھیں بہت سی سہولتیں حاصل ہیں مگر جمنا پار جانے کے بعد وہ ان شہری سہولتوں سے محروم ہو جائیں گی۔ یہ احساس ان پر اتنا زیادہ طاری ہوا کہ ایشیا ہاؤس کی آخری منزل پر چڑھ کر انھوں نے خودکشی کی چھلانگ لگا دی۔

میں نے اس خبر کو پڑھا تو اچانک میری زبان سے نکلا کہ —— انسان آج اچھے گھر کو چھوڑ کر معمولی گھر میں جانے کو برداشت نہیں کر پاتا۔ اس دن انسان کا کیا حال ہوگا جب وہ ہر قسم کے گھر سے محروم کر دیا جائے گا۔

انسان خودکشی نہ کرے تب بھی اس پر موت آتی ہے۔ موت کے بعد اچانک وہ محسوس کرے گا کہ اس کا تمام اثاثہ اس سے چھن چکا ہے۔ اس دن تمام گھر والے بے گھر ہو چکے ہوں گے۔ اس دن گھر والا صرف وہ ہوگا جس سے خدا خوش ہو اور اپنی طرف سے اس کو ایک گھر عطا کرے۔ اور اس کو اپنی جنت میں قیام کی اجازت دیدے۔

نتیجہ خیز کام

۱۹۱۷ میں مصری عدالت کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا۔ معاملہ یہ تھا کہ مصر کے ایک عالم نے یہ کہہ دیا تھا کہ نوح علیہ السلام ہی پہلے نبی تھے۔ کیوں کہ آدم کا ذکر قرآن میں نبی اور رسول کی حیثیت سے نہیں کیا گیا ہے۔ اس رائے پر کچھ لوگ غصہ ہو گئے۔ ایک شخص نے قاہرہ کی شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ اس عالم نے ایک معلوم دینی حقیقت کا انکار کیا ہے۔ اس لئے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی جائے۔ اور اس پر ارتداد کی سزا نافذ کی جائے۔ شرعی عدالت نے دعویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے مذکورہ عالم کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ اس نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ یہ شخص مرتد ہے اور اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی۔

مگر اس کے بعد مقدمہ عدالت اپیل (court of appeal) میں گیا، اور عدالت اپیل نے ابتدائی فیصلہ کو کالعدم قرار دے دیا۔ جج نے اپنے فیصلہ میں کہا:

اختجلتمونا امام الناس اعظم خجل ۔ فالافرنج مشتغلون بما یفیدہم، وانتم مشغولون بما لا یفید۔ (المجلہ، جدہ، ۱۶۰ - ۲۲ جولائی ۱۹۹۵، صفحہ ۳۵)

تم نے لوگوں کے سامنے ہم کو بہت زیادہ شرمندہ کیا۔ فرنگیوں کا یہ حال ہے کہ وہ ان چیزوں میں مشغول ہیں جو ان کے لئے مفید ہیں اور تم ایسی چیزوں میں مشغول ہو جن کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس واقعہ پر اب ۸۰ سال گزر چکے ہیں۔ مگر تمام دنیا کے مسلمان آج بھی مزید اضافہ کے ساتھ اسی قسم کے بے فائدہ کاموں میں مشغول ہیں۔ حالاں کہ حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ آدمی بے فائدہ کام کو چھوڑ دے۔ (من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ)

حقیقت یہ ہے کہ عقل اور اسلام دونوں کا تقاضا ہے کہ صرف وہ کام کیا جائے جو حقیقی معنوں میں نتیجہ خیز ہو۔ آدمی وہی بات سوچے جس کی کوئی افادیت ہو۔ وہ وہی بات بولے جس میں کوئی خیر ہو۔ وہ وہی کام کرے جس کا کوئی مثبت انجام نکلنے والا ہو۔ وہ وہی اقدام کرے جو کوئی بہتر مستقبل پیدا کرنے والا ہو۔

دعوت اور اصلاح

۱۰ مئی ۱۹۹۵ کو دہلی میں ساؤتھ افریقہ کے دو نوجوانوں سے ملاقات ہوئی ـــــ فیصل چوتھیا صاحب اور غلام محمد صاحب، انھوں نے سوال کیا کہ دعوت اور اصلاح میں کیا رشتہ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ دعوت کا کام کرنے سے خود اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ مگر یہ بات ابھی تک ہماری سمجھ میں نہ آسکی۔

میں نے کہا کہ دعوت اور اصلاح میں گہرا رشتہ ہے۔ اور یہ عین انسانی نفسیات کے مطابق ہے۔ نفسیات کا علم بتاتا ہے کہ آدمی خارجی طور پر جس کام میں مشغول ہو، اندرونی طور پر بھی وہ اسی کام میں مشغول ہوتا ہے۔ خارجی عمل اور داخلی حالت کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

ایک سچا داعی جس نے دعوت کو اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا ہو، وہ کیا کرتا ہے۔ اس کو ایک جلسہ میں اسلام کی دعوت پیش کرنا ہے۔ اب وہ یہ کرے گا کہ سب سے پہلے قرآن و حدیث اور دوسری کتابوں میں موضوع کا مطالعہ کرے گا۔ وہ غور کرکے اپنی تقریر کے نکات مقرر کرے گا۔ وہ دعا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذہن کو کھول دے اور اس کے دل میں وہ صحیح بات ڈال دے جو اس کو اجتماع عام میں کہنا چاہئے۔ پھر وہ دو رکعت صلاۃ الحاجہ پڑھ کر دعا کرے گا کہ خدایا، میری مدد فرما۔ مجھ سے وہ بات کہلا دے جو تیری مرضی کے مطابق ہو۔ جب وہ اجتماع گاہ میں پہنچے گا تو بار بار دعا کرے گا کہ: رَبِّ اشرح لی صدری ویسر لی أمری واحلل عقدة من لسانی یفقھو قولی۔

اس طرح ایک سچے داعی کی زندگی میں 'دعوت' کا عمل شروع ہونے سے پہلے 'اصلاح' کا عمل شروع ہو جاتا ہے، دوسروں کو مخاطب بنانے سے پہلے وہ خود دعوت حق کا مخاطب بن جاتا ہے۔ پھر جب وہ لوگوں کے سامنے آتا ہے تب بھی بار بار وہ دل ہی دل میں دعا کرتا رہتا ہے۔ بظاہر وہ بندوں کے سامنے ہوتا ہے مگر حقیقۃً وہ اللہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دعوت عین اسی وقت اصلاح بھی ہے۔ دوسروں کو پیغام پہنچانا خود اپنے آپ کو بھی مخاطب بنانا ہے۔ جو آدمی صحیح معنی میں دعوتی عمل میں مشغول ہو وہ اسی کے ساتھ لازمی طور پر خود اپنی اصلاح کے عمل میں بھی مشغول ہو جاتا ہے۔

انتظامی حکمت

الرجال قوّامون علی النساء بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعضٍ وبما انفقوا من اموالھم فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللّٰہ (النساء ۳۴)

مرد عورتوں کے اوپر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بنا پر کہ مرد نے اپنے مال خرچ کئے۔ پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرماں برداری کرنے والی، پیٹھ پیچھے نگہبانی کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے۔

خاندان، وسیع تر انسانی نظام کا ایک ابتدائی جزء (یونٹ) ہے۔ اس ابتدائی وحدت کو دو فرد، مرد اور عورت، مل کر چلاتے ہیں۔ زیادہ بڑے نظاموں کی طرح، گھر کا چھوٹا نظام بھی صحیح طور پر صرف اسی وقت چل سکتا ہے جب کہ دونوں میں سے ایک حاکم ہو، اور دوسرا اس کے مقابلہ میں ماتحت حیثیت قبول کرے۔ دونوں یکساں درجہ میں صاحب حکم ہوں تو اس نظام کا چلنا ہی ناممکن ہو جائے گا۔ مذکورہ آیت میں اسی حکمت کو بتایا گیا ہے۔

آیت میں فضل کا لفظ ہے۔ فضل کے معنی عربی زبان میں زائد کے ہیں (لسان العرب ۵۲۶/۱۱) اللہ تعالیٰ نے مذکورہ مصلحت کی بنا پر عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو ایک زائد خصوصیت پیدائشی طور پر عطا فرمائی ہے جو نظام فطرت میں کامیاب کارکردگی کے لئے انھیں درکار تھی۔

مرد کی خصوصیت زائدہ یہ ہے کہ وہ کمانے اور خرچ اٹھانے کی اضافی صلاحیت رکھتا ہے اس کے مقابلہ میں عورت کی اضافی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر قنوت (اطاعت) کا مزاج نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ گویا عورت اور مرد کو گھر کا نظام چلانے کے لئے الگ الگ جو صفات درکار ہیں وہ پیشگی طور پر دونوں کے اندر پیدا کر دی گئی ہیں۔

عورت اور مرد دونوں کے لئے پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ اس پورے معاملہ کو آزمائش کی نظر سے دیکھیں۔ ہر ایک کی توجہ اس پر ہو کہ اس کو جس کار خاص کے لئے بنایا گیا ہے اس کارِ خاص کو اسے بحسن وخوبی انجام دینا ہے۔ اسی حسن کارکردگی پر آخرت میں ان کے ابدی انجام کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ذاتی ذمہ داری

دوسری عالمی جنگ (۴۵-۱۹۳۹) کے دوران سر ونسٹن چرچل برطانیہ کے وزیر اعظم تھے وہ عام طور پر تشدد پسند لیڈر کی حیثیت سے مشہور رہیں۔ ایک بوڑھے برطانی شہری نے مجھے بتایا کہ چرچل نے اس جنگ کے زمانہ میں برطانی قوم کو جو ماٹو دیا وہ یہ تھا —— سب کچھ میرے اپنے اوپر منحصر ہے:

It all depends on me.

یہ ایک بہترین ماٹو ہے۔ یہ جنگ اور امن دونوں حالتوں میں یکساں طور پر مفید ہے۔ میرے بھائی عبدالمجید خاں (انجنیئر) نے بتایا کہ ایک بار وہ چنڈی گڑھ کے ایک ٹریننگ کیمپ میں شریک ہوئے۔ یہ کیمپ پالی ٹکنیک کے پرنسپلوں کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اور اس میں لکچر دینے کے لئے ایک انگریز پروفیسر کو بلایا گیا تھا۔ اس کا افتتاح ایک ہندستانی منسٹر کو کرنا تھا۔ منسٹر جب مائک پر کھڑے ہوئے تو اچانک بجلی چلی گئی اور لاؤڈ اسپیکر نے کام کرنا بند کر دیا۔ وہاں تبادل انتظام کے طور پر بیٹری نہ تھی۔ البتہ کالج کے ورکشاپ میں بیٹری موجود تھی۔

اس وقت زیر تربیت پرنسپل صاحبان کالج کے کسی چپراسی یا ورکر کو تلاش کرنے لگے تاکہ اس کو ورکشاپ بھیج کر وہاں سے بیٹری منگوائیں اور اس سے لاؤڈ اسپیکر کو چلائیں۔ مگر انگریز پروفیسر کو جیسے ہی صورتحال کا علم ہوا وہ خود بھاگ کر ورکشاپ میں پہنچا اور بھاری بیٹری کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر دوڑتا ہوا آیا اور لاؤڈ اسپیکر کے نظام سے جوڑ کر اس کو چلا دیا۔

کسی قوم کے افراد میں یہی مزاج اس قوم کی اجتماعی ترقی کا سب سے بڑا راز ہے۔ افراد کے اندر یہ اسپرٹ جتنا زیادہ پائی جائے گی، اتنا ہی زیادہ وہ قوم ترقی کر سکے گی۔

عام طور پر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ سماج میں کوئی خرابی دیکھتے ہیں تو ایک قانون بنانے کی تجویز پیش کرتے ہیں یا نظام میں تبدیلی لاکر اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ مگر قانون اور نظام کی ایک حد ہے۔ اپنی حد پر پہنچ کر قانون اور نظام غیر موثر ہو جاتے ہیں۔ اصلاح کا اصل طریقہ یہ ہے کہ افراد کے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا کر دیا جائے۔

ایک شرعی مسئلہ

یورپ کے ایک سفر میں میری ملاقات ایک غیر مسلم اسکالر سے ہوئی۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ اس وقت ساری دنیا میں پناہ گزینوں کی جو تعداد ہے اس میں تقریباً ۹۵ فی صد پناہ گزیں مسلمان ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ کوئی سادہ بات نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک جنگ جو (militant) مذہب ہے جو اپنے پیرووں کو اینٹی ایسٹبلشمنٹ بناتا ہے۔ وہ ہر جگہ اپنے حکمرانوں کے باغی بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد حکمرانوں کی طرف سے ان پر تشدد (persecution) ہوتا ہے تو وہ بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لیتے ہیں۔ اسلام کی اس تعلیم نے خود مسلمانوں کو بھی مصیبت میں ڈال دیا ہے اور وہ دنیا والوں کے لیے بھی مصیبت بن گئے ہیں۔

یہ بات جو مغربی پروفیسر نے کہی وہ کسی ایک شخص کی بات نہیں۔ یہی موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے بارہ میں عام تاثر ہے۔ یہ مسلمانوں کے اوپر کوئی فرضی الزام بھی نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عملی طور پر موجودہ مسلمان یہی کام کر رہے ہیں۔ ہر جگہ وہ اینٹی ایسٹبلشمنٹ بنے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ وہ اپنے ملک کی حکومتوں سے ٹکراؤ چھیڑے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یک طرفہ طور پر مسلمانوں کی تباہی کی صورت میں نکل رہا ہے جس کا صرف ایک جزء عالمی پناہ گزینوں میں مسلمانوں کی مذکورہ کثرت ہے۔

عام حالت میں یہ صرف مسلمانوں کا یا ان کے کچھ لیڈروں کا ایک گروہی واقعہ ہوتا۔ جو کچھ غلط فہمی ہوتی وہ صرف کچھ مسلمانوں کے بارہ میں ہوتی۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ مسلم عاملین (activists) اپنی یہ جنگ جویانہ مہم اسلام یا اسلامی جہاد کے نام پر چلا رہے ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر مسلمانوں کا یہ عمل اسلام کے ساتھ منسوب کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے اس عمل سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس قسم کی متشددانہ سیاسی سرگرمیوں میں سارے مسلمان شامل نہیں ہیں۔ ان کا ایک طبقہ ہی عملی طور پر ان میں ملوث ہے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ موجودہ مسلم دنیا کے علماء اور دانشور ان افعال کی مذمت نہیں کرتے۔ اس طرح خود شرعی اصول کے مطابق، تمام مسلمان براہ راست یا بالواسطہ طور پر مسلم جنگ جوئی کے مویدبنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ برائی پر چپ رہنا برائی کی تائید کرنا ہے۔

ان حالات میں یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ مذکورہ قسم کی متشددانہ تحریکیں لوگوں کی نظر میں اسلام کی

نمائندہ تحریکیں قرار پائیں ۔ لوگ یہ رائے قائم کریں کہ یہی اسلام کا اصل مطلوب عمل ہے ۔ اسلام تشدد کا مذہب ہے ۔ وہ دوسرے مذاہب یا نظاموں کے ساتھ موافقت کرکے رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ اس مقالہ میں مجھے اسی مسئلہ کا علمی جائزہ لینا ہے ۔

اسلام بنیادی طور پر ایک امن پسند مذہب ہے ۔ اسی لیے پیغمبر اسلام کو رحمۃ للعالمین (الانبیاء ۱۰۷) کہا گیا ہے ۔ یعنی سارے عالم کے لیے رحمت ۔ گویا کہ پیغمبر اسلام پیغمبر رحمت ہیں نہ کہ پیغمبر حرب ۔ آپ کا طریقہ عدم تشدد (non-violence) ہے نہ کہ تشدد (violence)

تاہم موجودہ دنیا ایک ایسی دنیا ہے جہاں اختلاف اور نزاع کا پیش آنا لازمی ہے ۔ ایک فرد اور دوسرے فرد ، اسی طرح ایک گروہ اور دوسرے گروہ میں مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے ۔ ایسی حالت میں کیا کیا جائے ۔ اس کا جواب صبر ہے ۔ قرآن میں بہت زیادہ صبر کی تلقین کی گئی ہے ۔ حتی کہ اگر براہ راست احکام کے ساتھ بالواسطہ احکام کو شامل کر لیا جائے تو پورا قرآن کتاب صبر نظر آئے گا ۔

صبر و اعراض کا مطلب یہ ہے کہ ناخوش گوار باتیں پیش آنے کی صورت میں ردعمل کا انداز اختیار نہ کیا جائے بلکہ یک طرفہ طور پر برداشت کر لیا جائے تاکہ جو شکایتی بات پیدا ہوئی ہے وہ اپنے پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جائے ۔

اس کے باوجود ایسی حالتیں پیش آسکتی ہیں جب کہ بات بڑھ جائے ۔ ابتدائی شکایت باقاعدہ نزاع کی صورت اختیار کرنے لگے ۔ اس وقت اہل اسلام کو کیا کرنا چاہیے ۔ اس سلسلہ میں ایک اصولی ہدایت دی گئی کہ والصلح خیر (النساء ۱۲۸) یعنی صلح کر لینا بہتر ہے ۔ قرآن میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا ہے کہ الحرب خیر (جنگ بہتر ہے) مگر یہ فرمایا کہ الصلح خیر (صلح بہتر ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزاعی امور میں اسلام کی اسپرٹ صلح ہے نہ کہ حرب ۔

اس طرح عدم نزاع کو اسلام نے ایک بنیادی اجتماعی اصول کی حیثیت دے دی ہے ۔ خواہ فرد اور فرد کے درمیان کا معاملہ ہو یا گروہ اور گروہ کے درمیان کا معاملہ ، ہر موقع پر اصلاً اس اصولی ہدایت کو ملحوظ رکھنا ہے کہ ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے ۔ اور اگر بالفرض ٹکراؤ پیش آجائے تو پہلی فرصت میں صلح کا طریقہ اختیار کرکے نزاع کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ کیوں کہ ٹکراؤ ہمیشہ مسئلہ کو بڑھاتا ہے ، وہ کسی بھی درجہ میں مسئلہ کا حل نہیں ۔

مسلم حکمراں کا معاملہ

اجتماعی نزاعات کی سب سے زیادہ سنگین صورت وہ ہے جو عوام اور حکمراں کے درمیان پیش آتی ہے۔ اس کو ایک لفظ میں سیاسی نزاع بھی کہا جاسکتا ہے۔ انسانوں کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ خود خواہ ہی ہوں، مگر حکمراں طبقہ کو وہ ہمیشہ آئیڈیل کے معیار سے ناپتے ہیں، جب کہ آئیڈیل کا حصول اس ا میں ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی فرد یا گروہ حکمراں بنتا ہے، فوراً ہی لوگوں کو اس سے ایت شروع ہو جاتی ہے۔ یہ شکایت بڑھ کر کبھی ٹکراؤ اور جنگ تک پہنچ جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں احادیث میں نہایت تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ ہدایات تمام کی تمام عملی ولیت (practical wisdom) پر مبنی ہیں۔ یعنی ناممکن کی چٹان سے سر ٹکرانے کے بجائے ممکن ے میدان میں کوششوں کو موڑ دینا۔

یہ ہدایات خاص طور پر حدیث کی کتابوں میں ابواب الفتن کے تحت دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ حدیثیں لیے ہوئے حکمرانوں کے بارہ میں شرعی حکم کو بتاتی ہیں۔ وہ حکم یہ ہے کہ ایسے حکمرانوں سے ہرگز سیاسی اؤ نہ کیا جائے۔ بلکہ ٹکراؤ سے بچتے ہوئے اپنے آپ کو غیر سیاسی دائرہ میں مصروف رکھا جائے۔

ان روایات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگی طور پر فرما دیا تھا کہ میرے بعد تم اپنے حکمرانوں بہت بگاڑ دیکھو گے۔ لیکن بگاڑ اور ناانصافی کے باوجود تم ان کے خلاف خروج (بغاوت) نہ کرنا۔ ہر حال میں صبر کے اصول پر قائم رہنا۔ تم کسی بھی عذر کو لے کر حکمرانوں سے لڑائی نہ کرنا۔ بلکہ اپنی بکری ر اونٹ میں مشغول ہو کر اپنے ضروری دینی فرائض کو ادا کرتے رہنا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ واضح اور قطعی ہدایت حدیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ اسی نتیجہ تھا کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے نظام حکومت میں بہت زیادہ بگاڑ آگیا۔ مگر مسلم علماء نے حکمرانوں کے خاتمہ کے لیے کبھی کوئی مخالفانہ سیاسی مہم شروع نہیں کی۔ بنو امیہ، بنو عباس اور دوسرے رانوں میں خود آپس میں تو مختلف صورتوں میں ٹکراؤ پیش آیا۔ مگر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء اور ونے کبھی اصلاح سیاست کا نام لے کر ان کو سیاست سے بے دخل کرنے کی تحریک نہیں چلائی۔

یہ بات نہ صرف عملی طور پر ہوئی۔ بلکہ نظری طور پر تمام علماء نے اس پر اتفاق رائے کر لیا۔ تمام علماء، فقہاء نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ ایک مسلم حکمراں جس کی حکومت عملاً قائم ہو گئی ہو، خواہ بظاہر وہ ظالم

اور فاسق کیوں نہ ہو، اس کے خلاف خروج (بغاوت) کرنا جائز نہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں میں صرف ایک حوالہ دوں گا۔ امام نووی کچھ احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارباب اقتدار سے ان کے اقتدار کے معاملہ میں نزاع نہ کرو اور نہ ہی ان کے اوپر اعتراض کرو، اِلّا یہ کہ تم ان میں کوئی ایسا ثابت شدہ منکر فعل دیکھو جس کو تم اسلام کے بنیادی امور میں سے جانتے ہو۔ پس جب تم ایسی چیز دیکھو تو تم ان پر نکیر (قولی نصیحت) کرو۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو حق بات کہو۔ باقی ان کے خلاف خروج (عملی بغاوت) اور ان سے جنگ تو وہ اجماع مسلمین کے تحت حرام ہے، خواہ یہ حکمراں فاسق اور ظالم کیوں نہ ہوں (واما الخروج علیهم وقتالهم فحرام باجماع المسلمين وان كانوا فسقة ظالمين) اور یہ جو مفہوم میں نے بیان کیا اس کی تائید میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حکمراں فسق کی بنا پر معزول نہیں ہوتا۔ اور فسق کی بنا پر حکمراں کے معزول ہو جانے کی بات جو فقہ کی کتابوں میں ہمارے بعض اصحاب نیز معتزلہ کی طرف منسوب کر کے بیان ہوئی ہے وہ غلط ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ علماء نے ایسے حکمراں کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کا سبب یہ بتایا ہے کہ اس کے نتیجہ میں بدامنی اور خوں ریزی اور آپس کے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ پس اس کی معزولی (یا اس کے خلاف خروج) کی صورت میں اس سے زیادہ بگاڑ اور فساد برپا ہوگا جتنا کہ اس کے برسر اقتدار رہنے کی صورت میں تھا۔" (صحیح مسلم بشرح النووی ۲۲۹/۱۲)

اس شرعی اصول پر جانچئے تو معلوم ہوگا کہ مسلم ملکوں میں اٹھنے والی وہ تمام تحریکیں باطل تحریکیں تھیں جو موجودہ صدی میں مسلم حکمرانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے اٹھیں۔ بظاہر ان کا نعرہ تھا کہ وہ فاسق حاکموں کو ہٹانا چاہتے ہیں تاکہ شرعی قانون کا نظام قائم کر سکیں۔ مگر حقیقۃً یہ شرعی قانون کی نفی تھی۔ کیوں کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایک مسلم حکمراں جس کی حکومت عملاً قائم ہو چکی ہو، اس کے خلاف کسی بھی حال میں خروج (بغاوت) نہ کرو۔

اس قسم کی تمام تحریکیں، مذکورہ شرعی حکم کے مطابق، ناجائز تحریکیں تھیں۔ کیوں کہ وہ قائم شدہ مسلم حکمراں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے اٹھائی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پُرشور تحریکوں سے کوئی مثبت اسلامی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ بے پناہ قربانیوں کے باوجود وہ اپنے ملکوں کو تباہ

در بربادی کے سوا کوئی اور تحفہ نہ دے سکیں۔ خدا کی اس دنیا میں کسی غیر اسلامی عمل سے کبھی کوئی سلامی نتیجہ برآمد ہونے والا نہیں۔

مسلمانوں کو سیاسی نزاع سے روکنے کا مطلب ان کو بے عملی کی طرف لے جانا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان کو بے فائدہ عمل کے میدان سے نکال کر مفید عمل کے میدان میں سرگرم کیا جائے۔

موجودہ دنیا دارالامتحان ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ دنیا مسائل کی دنیا ہے۔ یہاں بے مسائل زندگی کبھی کسی کو ملنے والی نہیں۔ اگر آپ سیاسی مسئلہ کو ختم کرنے کے نام پر جنگ چھیڑیں تو جب آپ سیاسی مسئلہ کو ختم کر چکے ہوں گے، اس کے بعد پھر کوئی نیا مسئلہ آپ کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ برصغیر ہند کے علماء نے انگریزی مسئلہ کو ختم کرنے کے نام پر قربانیاں دیں۔ مگر جب انگریزی مسئلہ ختم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اکثریتی بالادستی کی صورت میں ایک نیا مسئلہ یہاں ان کے لیے موجود ہے۔ مصر میں اخوانیوں نے شاہ فاروق کو سیاسی مسئلہ سمجھ کر ان کے خلاف بغاوت کی۔ مگر شاہ فاروق کے خاتمہ کے بعد دوبارہ فوجی ڈکٹیٹر شپ کا شدید تر مسئلہ ان کے سامنے موجود تھا۔ پاکستان کے اسلام پسندوں نے ایوب اور بھٹو کو مسئلہ سمجھ کر ان کے خلاف ہنگامہ خیز مہم چلائی۔ مگر ایوب اور بھٹو کا خاتمہ کسی بھی درجہ میں مسائل کے خاتمہ کے ہم معنی نہ بن سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں مسائل ہماری زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ ایسی حالت میں مسائل سے ٹکرانا صرف ایک نادانی کا فعل ہے۔ موجودہ دنیا میں عمل کا صحیح طریقہ صرف ایک ہے —— مسائل کو نظر انداز کرنا اور مواقع کو استعمال کرنا۔ یہی اسلام کا حکم ہے، اور یہی عقل کا تقاضا بھی۔

مسائل رخی جدوجہد موجودہ دنیا میں کبھی کسی مفید نتیجہ تک پہنچنے والی نہیں۔ اس قسم کی جدوجہد کا واحد انجام صرف یہ ہے کہ ایک مسئلہ کو ختم کرنے کے نام پر ٹکراؤ کیا جائے، اور جب وہ مسئلہ ختم ہو تو اس کے بعد نئے پیش آمدہ مسئلہ کے نام پر دوبارہ احتجاج یا ٹکراؤ کی نئی مہم شروع کر دی جائے۔ اور بے فائدہ قربانیوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔

مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے مواقع کو استعمال کرنا حالت موجودہ پر ٹھہراؤ نہیں ہے۔ یہ دراصل ناممکن میدان سے ہٹ کر ممکن میدان میں اپنی طاقت کو استعمال کرنا ہے۔ اور ساری تاریخ کا تجربہ بتاتا ہے کہ جو لوگ ممکن میدان میں اپنی طاقت صرف کریں وہ آخر کار ممکن کو بھی پا لیتے ہیں اور ناممکن کو بھی۔

غیر مسلم حکمراں کا معاملہ

جہاں تک مسلم حکمراں کا معاملہ ہے، اس کے خلاف خروج کی حرمت صریح احادیث سے ثابت ہے اسی لیے تمام علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حکمراں اگر غیر مسلم ہو تو اس کے بارہ میں شریعت اسلامی کا حکم کیا ہے۔

یہاں شریعت کا اصولِ قیاس ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اصول فقہ میں یہ بات مسلم ہے کہ شرعی احکام کے ماخذ چار ہیں ——— قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ زیر بحث معاملہ میں قیاس کے اصول میں ہمارے لیے واضح رہنمائی موجود ہے۔

فقہ کی تمام اہم کتابوں میں قیاس پر بحث کی گئی ہے۔ شرعی قیاس کیا ہے، اس کو اصول فقہ کی کسی بھی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

فنی اصطلاحات سے قطع نظر، سادہ طور پر قیاس کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ اشتراک علت کی بنیاد پر کسی چیز کے بارے میں دوسری چیز کے مماثل حکم ثابت کرنے کا نام ہے (اثبات مثل حکم معلوم فی معلوم آخر لاشتراكهما فی علة الحكم، ناصر الدين البيضاوی، منهاج الوصول، ۲/۳)

بیضاوی کے مذکورہ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے دکتور صلاح الدین زیدان نے لکھا ہے کہ: جب حکم کی علت میں مماثلت پائی جائے تو نتیجۃً حکم میں بھی مماثلت ہوگی (التماثل فی علة الحكم يؤدی الى التماثل فی الحكم، الدكتور صلاح الدين زيدان، حجية القياس، صفحہ ۲۳)

مثال کے طور پر شراب کے بارے میں یہ حکم ثابت ہے کہ وہ حرام ہے لیکن کھجور سے تیار کی گئی نبیذ کا حکم صراحۃً قرآن یا حدیث میں موجود نہیں۔ مگر فقہاء نے اس کو حرام قرار دیا ہے کیوں کہ نبیذ اور شراب میں ایک قدرِ مشترک پائی جاتی ہے اور وہ ہے دونوں کا مُسکر یعنی نشہ آور ہونا۔ اب چونکہ اسی قدر مشترک کی بنا پر شریعت نے شراب کو حرام ٹھہرایا ہے لہٰذا نبیذ اور کھانے پینے کی وہ ساری چیزیں جو مُسکر (نشہ آور) ہیں ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو شراب کا حکم ہے۔

اس اصول قیاس کو سامنے رکھ کر مذکورہ معاملہ پر غور کیجئے تو جو بات سامنے آئے گی وہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے صراحت کے ساتھ غیر عادل مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج (بغاوت) سے منع فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کا اقدام زیادہ بڑا نقصان (بدامنی اور جان و مال کی تباہی) پیدا کرے گا۔

معلوم ہوا کہ اس ممانعت کی اصل علت شدید تر برائی کا پیدا ہونا ہے۔ یہ شدید تر برائی اس وقت بھی پوری طرح ظہور میں آئے گی جب کہ حکمراں غیر مسلم ہو۔ گویا دونوں جگہ علت کا اشتراک پایا جارہا ہے۔ اور جب علت مشترک ہے تو شرعی اصول کے مطابق حکم بھی مشترک ہوگا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت میں جس طرح غیر عادل مسلم حکمراں کے خلاف بغاوت ناجائز ہے اسی طرح غیر مسلم حکمراں کے خلاف بھی بغاوت ناجائز ہے خواہ وہ لوگوں کو غیر عادل کیوں نہ دکھائی دیتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس خاص مسئلہ میں مسلم حکمراں اور غیر مسلم حکمراں کا فرق محض اضافی ہے۔ کیونکہ حکمراں کے خلاف خروج کی ممانعت اس لیے نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ ممانعت صرف اس لیے ہے کہ اس قسم کا فعل زیادہ بڑا شر پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ ایسا اقدام عملی طور پر الٹے نتیجہ والا (counter-productive) ثابت ہوگا۔ اٹھنے والا اپنے خیال کے مطابق تو ظلم کو ختم کرنے کے لیے اٹھے گا۔ مگر نتیجہ کے اعتبار سے عظیم تر ظلم ظہور میں آئے گا۔

ایسا ہونا بالکل یقینی ہے۔ کیوں کہ حکمراں کسی معاشرہ کا وہ عنصر ہے جس کے پاس ہر قسم کی طاقتیں ہوتی ہیں۔ جب اس کے وجود کو چیلنج کیا جائے گا تو لازماً وہ اپنے وجود کی حفاظت کے لیے اپنی ان طاقتوں کو استعمال کرے گا۔ اس کے بعد تشدد، خوں ریزی، اموال کی تباہی، امن وامان کا غارت ہو جانا جیسے یقینی نتائج رونما ہوں گے۔ چھوٹی برائی کو دور کرنے کی کوشش میں زیادہ بڑی برائی پیدا ہو جائے گی۔

گویا یہاں حکم کی جو علت ہے وہ حکمراں کا مسلم ہونا نہیں ہے بلکہ حکمراں کا اس پوزیشن میں ہونا ہے، وہ خروج کا عمل پیش آنے کے بعد پورے معاشرہ کو تباہی کے گڑھے میں ڈال دے گا۔ سیاسی خروج کی حرمت کا سبب حاکم کا مسلمان ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سبب ترتب فتنہ ہے۔ اور قیاس شرعی کے مطابق، جب علت مشترک ہے تو حکم بھی مشترک ہو جائے گا۔ یعنی غیر مسلم حکمراں کے خلاف خروج بھی اسی طرح ناجائز قرار پائے گا جس طرح مسلم حکمراں کے خلاف خروج ناجائز ہے، کیوں کہ باعتبار انجام دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حکمراں کے خلاف خروج اس وقت تک جائز نہیں جب تک اقامت صلاۃ میں وہ کوئی رکاوٹ نہ ڈال رہے ہوں۔ اس حدیث میں "صلاۃ" کی اجازت کا ذکر دراصل

مذہبی آزادی کی علامت کے طور پر آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام کو جب تک عبادت اور قول وعمل کی آزادی حاصل ہے، ان کو اپنے حکمراں کے خلاف سیاسی معزولی کی تحریک چلانا جائز نہیں خواہ یہ حکمراں مسلم ہو یا غیر مسلم۔

موجودہ زمانہ میں تمام غیر مسلم حکومتوں میں مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اینٹی اسٹبلشمنٹ سیاست کے سوا وہ ہر مذہبی سرگرمی کے لیے پوری طرح آزاد ہیں۔ ایسی حالت میں ان ملکوں میں سیاسی حکمرانوں کے خلاف تحریکیں چلانا سراسر ناجائز فعل ہے۔ اس قسم کی سیاسی ہنگامہ آرائی، خواہ وہ اسلام کے نام پر کی جائے، یقینی طور پر وہ غیر اسلامی قرار پائے گی۔

مذکورہ احادیث اور شرعی حکم کے مطالعہ سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکمراں کے اندر اگر غلطی یا ناانصافی دکھائی دے تو اصلاً جس چیز کا جواز ہوگا وہ قولی نکیر ہے۔ یعنی لفظی تنقید کی صورت میں اظہار رائے۔ اور وہ بھی عوامی تقریر کی صورت میں نہیں بلکہ تنہائی کی ملاقات میں، جیسا کہ بزرگ صحابی عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم کو ضروری کچھ کہنا ہو تو ایسی مجلس میں کہو جس میں صرف تم ہو اور وہ (فان کنت لابد فاعلاً ففیما بینک وبینه)

موجودہ زمانہ میں کئی ایسے غیر مسلم ملک ہیں جن کے بارہ میں مسلم پریس روزانہ ظلم وزیادتی کی داستان سناتا رہتا ہے۔ یہ طریقہ شریعت کے مطابق تطفیف ہے، اور تطفیف کو قرآن میں نہایت برا فعل بتایا گیا ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان غیر مسلم ملکوں میں ظلم وزیادتی کے واقعات کب شروع ہوئے۔ جب آپ اس اعتبار سے جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ مسلمانوں کے سیاسی جہاد کے بعد کے واقعات ہیں نہ کہ پہلے کے واقعات۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کو پوری طرح مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ امن کے ساتھ وہاں زندگی گزار رہے تھے۔ مگر جب وہاں جہاد کے نام پر "گن کلچر" کو فروغ دیا گیا تو اس کے بعد وہاں کے حکمرانوں نے بھی تشدد کا جواب تشدد سے دینا شروع کیا۔ ایسی حالت میں ان مظالم کی اصل ذمہ داری ان انتہا پسند مسلم لیڈروں پر عائد ہوتی ہے جو اپنی مخالفانہ کارروائیوں سے اس کا سبب بنے۔ حدیث میں ہے کہ ان الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها۔ اس حدیث کے مطابق، اصل مجرم موقظ فتنہ ہے نہ کہ صاحب فتنہ۔

ایک شرعی اصول

قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کو لوگ پکارتے ہیں تم ان چیزوں کو برا نہ کہو، ورنہ وہ لوگ اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا ہے (الانعام ۱۰۸)

اس سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے عمل کو نتیجہ رخی (result-oriented) عمل ہونا چاہیے۔ ہر اقدام سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ اگر نتیجہ غیر مطلوب نکلنے والا ہو تو اقدام سے پرہیز کیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ جو عمل الٹا نتیجہ والا (counter-productive) ثابت ہو، وہ عمل اسلام میں جائز نہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنے باپ کو گالی دے۔ لوگوں نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ، کیسے کوئی شخص اپنے باپ کو گالی دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کسی شخص کے باپ کو گالی دو گے پھر وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا۔ تم کسی کی ماں کو گالی دو گے پھر وہ تمہاری ماں کو گالی دے گا۔ اسی بنا پر فقہ میں ایک مستقل مسئلہ بنا ہے جس کو ترك المصلحة للمفسدة کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک بظاہر مطلوب کام کو اس لیے چھوڑ دینا کہ اس کے کرنے سے زیادہ بڑا بگاڑ پیدا ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۱۶۴)

اس شرعی اصول کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے وہ تمام اقدامات غیر اسلامی قرار پاتے ہیں جن کو جہاد کے نام پر شروع کیا گیا۔ کیونکہ ان اقدامات کا نتیجہ زبردست تباہی کی صورت میں نکلا۔ اقدام جہاد سے پہلے مسلمانوں کو جو کچھ حاصل تھا وہ بھی ان سے کھو یا گیا اور مزید کوئی چیز انھیں حاصل نہ ہو سکی۔

ایک اعتراض

مذکورہ بات کے سلسلہ میں اکثر مسلم دانشور یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بات جو آپ کہہ رہے ہیں، یہ تو مسیحی نقطۂ نظر ہے جو انفعالیت پر قائم ہے۔ اسلام تو ایک انقلابی دین ہے جو فعالیت میں یقین رکھتا ہے۔ مگر یہ کچھ افراد کی محض ذاتی ریزننگ ہے۔ ہم نے جو بات کہی ہے وہ قرآن و حدیث کے حوالے سے کہی ہے۔ وہ مکمل طور پر شرعی نصوص پر مبنی ہے۔ جب کہ معترض حضرات کی بات تمام تر ذاتی ریزننگ پر مبنی ہے۔ اور کسی کی ذاتی ریزننگ شرعی نصوص کا بدل نہیں بن سکتی۔

مسلم دانشوروں میں ایک بالکل بے بنیاد خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ اسلام ایک ارتقایافتہ مذہب ہے، اور دوسرے مذاہب غیر ارتقایافتہ مذاہب ہیں۔ حالانکہ یہ بات صریح اسلامی نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن کے مطابق، ہر پیغمبر کو ایک ہی دین دیا گیا۔ اسلام اور دوسرے مذاہب میں غیر محرف اور محرف کا فرق ہے نہ کہ ارتقائی اور غیر ارتقائی کا۔

مثال کے طور پر مسلم خطباء اکثر حضرت مسیح کے اس قول کا استخفاف کرتے ہیں کہ بس جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو (متی ۲۲ : ۲۱) حالانکہ یہ مخصوص حالات کے اعتبار سے ایک حکیمانہ ہدایت ہے اور وہ خود اسلام میں عین اسی طرح موجود ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

انکم سترون بعدی اثرۃ و امورا تنکرونہا۔ قالوا فما تأمرنا یارسول اللہ۔ قال : أدوا الیہم حقہم وسلوا اللہ حقکم۔

(مشکاۃ المصابیح ۲/۱۰۸۷)

میرے بعد تم لوگ (حکمرانوں میں) خود غرضی اور منکر چیزیں دیکھو گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے خدا کے رسول، پھر اس وقت کے لیے آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کو ان کا حق ادا کرو اور اللہ سے اپنا حق مانگو۔

ایک شبہہ کا ازالہ

مذکورہ شرعی اصول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت اہل اسلام کو قانع حال (statusquoist) بنا دینا چاہتی ہے۔ شریعت کے اس حکم کا مقصد دراصل نازک صورت حال میں اپنے عمل کے لیے نقطۂ آغاز (starting point) حاصل کرنا ہے۔ نزاعی صورت حال میں اگر ردّ عمل کا طریقہ اختیار کیا جائے تو یہ البتہ عملی طور پر ٹھہراؤ (statusquoism) کے ہم معنی ہوگا۔ ایسی حالت میں اہل اسلام سامنے کی چٹان سے ٹکراتے رہیں گے۔ وہ آگے بڑھنے کے لیے اپنا راستہ نہ پا سکیں گے۔

اس لیے شریعت نے اہل اسلام کو مذکورہ حکم دیا۔ یعنی وہ حالات کے ناموافق پہلو پر صبر کریں تاکہ وہ حالات کے موافق پہلو کو استعمال (avail) کر سکیں۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر صورت حال میں آدمی کے لیے کچھ موافق پہلو اور کچھ ناموافق پہلو دونوں بیک وقت موجود ہوں۔ موافق پہلو کو استعمال کرنے کی واحد قیمت ناموافق پہلو کو برداشت کرنا ہے۔ مذکورہ شرعی حکم دراصل اسی قیمت کو ادا کرنے کی ایک صورت ہے۔

زندگی کا سفر کبھی نقطۂ اختتام سے شروع نہیں ہو سکتا۔ زندگی کا سفر جب بھی شروع ہوگا، ابتدائی نقطہ سے شروع ہوگا۔ زندگی میں کامیاب سفر کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کو نقطۂ آغاز مل جائے۔ صحیح نقطۂ آغاز مل جانے کے بعد منزل پر پہنچنا اتنا ہی یقینی ہو جاتا ہے جتنا تاریک شام کے بعد روشن صبح کا نکلنا۔

تعبیر کا مسئلہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام میں یہ جائز نہیں کہ حکمرانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے ان کے خلاف جنگ برپا کی جائے تو ایسا کیوں ہے کہ آج ساری دنیا میں مسلمان اسی قسم کے سیاسی ہنگامے برپا کیے ہوئے ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری موجودہ زمانہ کے ان مسلم مفکرین پر ہے جنھوں نے اسلام کی سیاسی تعبیر کی۔ انھوں نے مسلمانوں کو یہ نشانہ دیا کہ وہ تمام مخالف طاقتوں سے لڑ کر ساری دنیا میں اسلام کا اقتدار قائم کریں۔

حدیث کے الفاظ میں، اسلامی دعوت کا نشانہ یہ تھا کہ قلب انسانی کو بدلا جائے۔ مگر اس تعبیر نے انتہائی غلط طور پر نظام سیاسی کی تبدیلی کو اسلامی دعوت کا نشانہ بنا دیا۔ اور اس غلط تعبیر نے ایک ناجائز کام کو اسلام کا اعلیٰ وارفع مطلوب قرار دے دیا۔ چنانچہ اب تمام لوگ ارباب اقتدار سے اپنا سر ٹکرا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فکر انسانی میں کبھی ایسا بگاڑ بھی آسکتا ہے کہ لوگ سراسر ایک عبث کام کریں اور بطور خود یہ سمجھیں کہ وہ بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہیں (الکہف)۔ یہی موجودہ زمانہ میں ان نام نہاد انقلابی مسلمانوں کا حال ہے۔ نااہل رہنماؤں کی تزئین کے نتیجہ میں ان کا فکر اس طرح بگڑ گیا ہے کہ اب انھیں اسلام کا اصل دعوتی کام کمتر دکھائی دیتا ہے، اور وہ کام انھیں بڑا دکھائی دیتا ہے جس کو بطور خود انھوں نے اسلامی انقلاب کا نام دے رکھا ہے۔

اس کا حل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ موجودہ مسلم نسلوں کے ذہن کو درست کیا جائے۔ ان کے اندر انقلابی فکر کے بجائے اصلاحی فکر پیدا کیا جائے۔ ان کے اندر سیاست رخی سوچ کی جگہ آخرت رخی سوچ لائی جائے۔ ان کو نام نہاد انقلابی فکر کے بجائے سچے ربانی فکر پر کھڑا کیا جائے۔

اسلام کی تعبیر موجودہ زمانہ میں تین طریقوں سے کی گئی ہے۔ یہ تینوں تعبیرات مختصر انداز میں حسب ذیل ہیں :

۱- پیغمبر دنیا میں خلیفۃ اللہ بن کر آئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا کے باغیوں کو زیر کر کے خدا کی دنیا
میں خدا کے قانون کی حکومت قائم کریں۔

۲- خدا نے پیغمبروں کو اس لیے بھیجا تاکہ وہ حیات انسانی کے بارہ میں خدا کے منصوبہ سے لوگوں ک
آگاہ کر دیں۔ یعنی یہ منصوبہ کہ موجودہ دنیا آزمائش گاہ ہے۔ کوئی شخص اس دنیا میں جیسا عمل کرے گا اسی
کے مطابق وہ آیندہ آنے والی ابدی دنیا میں سزا یا انعام پائے گا۔

۳- تیسرا نقطۂ نظر تطبیقی نقطۂ نظر ہے۔ اس کے مطابق، مذکورہ دونوں تعبیر میں صرف ترتیب ک
فرق ہے۔ دوسرا نظریہ اسلامی دعوت کے آغاز کو بتاتا ہے اور پہلا نظریہ اسلامی دعوت کے اختتا
کو بتا رہا ہے۔

مگر قرآن و سنت کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں سے صرف دوسرا نقطۂ نظر صحیح ہے۔ تمام متعلق
نصوص سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ پہلے اور تیسرے نقطۂ نظر کے لیے قرآن و سنت میں کوئی براہ راست
نص موجود نہیں۔ ان حضرات کا استدلال صرف استنباط پر قائم ہے، اور اسلامی دعوت کا نشانہ متعین
کرنے کے لیے استنباطی دلیل ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔

اسلامی دعوت اصلاً یہی ہے کہ تخلیق کے خدائی منصوبہ سے لوگوں کو باخبر کیا جائے۔ اور اس کی
بنیاد پر افراد کے اندر ذہنی انقلاب لانے کی کوشش کی جائے۔ اصل دعوتی عمل یہی ہے۔ تاہم
ہر اجتماعی عمل کے بہت سے ضمنی نتائج ہوتے ہیں، اسی طرح دعوتی عمل کے بھی ضمنی اور اضافی نتائج ہیں۔
انھیں اضافی نتائج میں سے ایک اہل ایمان کی حکومت قائم ہونا ہے۔ تاہم حکومت اسلامی کا قیام اسلامی
دعوت کا براہ راست نشانہ نہیں۔ یہ اللہ تعالے کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ اللہ اپنے مصالح کے تحت کبھی
ایک کے حق میں اور کبھی دوسرے کے حق میں استخلاف فی الارض کا فیصلہ کرتا ہے۔

اس موضوع کی مزید تفصیل راقم الحروف کی حسب ذیل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے ——
تعبیر کی غلطی، الاسلام، دین کامل، راہ عمل، احیاء اسلام، وغیرہ۔

ایک سفر

اٹلی کی راجدھانی روم ہے۔ مگر وہاں کا سب سے بڑا شہر میلان (Milan) ہے۔ اس کو اطالوی زبان میں میلانو کہا جاتا ہے۔ یہاں ستمبر ۱۹۹۳ میں انٹرنیشنل سطح کی ایک مذہبی کانفرنس ہوئی۔ اس سلسلہ میں اٹلی اور انگلینڈ کا سفر ہوا۔

اس کا دعوت نامہ ۱۰ ماہ پہلے نومبر ۱۹۹۲ میں مجھے مل گیا تھا۔ اس کے بعد کاغذات موصول ہوتے رہے۔ سفر پر روانہ ہونے سے کافی پہلے کانفرنس کی پوری تفصیل مجھے دہلی میں مل چکی تھی۔ یہ موجودہ زمانہ میں مواصلات (communications) کے جدید ذرائع کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ جدید مواصلات نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ آدمی ایک مقام پر بیٹھ کر سارے عالم میں اشاعت افکار کی مہم چلا سکے۔ قدیم نوآبادیاتی نظام کی علامت اگر ٹیلی گرافک پیغام رسانی تھی تو جدید نوآبادیاتی نظام کی علامت الیکٹرانک پیغام رسانی ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ نہ قدیم مواصلاتی دور میں اس کو حقیقی طور پر دعوت کے مقاصد میں استعمال کیا جا سکا اور نہ جدید مواصلاتی دور میں اس کو دعوت کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلم رہنماؤں میں دعوتی شعور سرے سے موجود ہی نہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلم رہنما خلافت ارضی اور قیادت عالمی کے حصول کو دعوت سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ یہ محض سیاسی ہنگامہ آرائی ہے نہ کہ دعوت الی اللہ۔

ستمبر ۱۹۹۳ کی ۱۸ تاریخ شروع ہوئی تو گاڑی مجھ کو لئے ہوئے تیزی سے دہلی ایرپورٹ کی طرف جا رہی تھی۔ آج مجھے دہلی سے اٹلی جانا تھا۔ وہاں چند دن قیام کرکے ایک انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کرنا تھا۔ اس کے بعد مزید سفر کرکے انگلینڈ جانا تھا۔ وہاں دوبارہ چند شہروں میں خطاب اور ملاقات کے پروگرام تھے۔ ان سے فارغ ہوکر مجھے دہلی واپس آنا تھا۔ اس سفر کی روداد یہاں درج کی جاتی ہے۔

۱۸ ستمبر کو صبح تین بجے میں دہلی کے انٹرنیشنل ایرپورٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مختلف قسم کے لوگ اپنے اپنے سامان کے ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ چلتے ہوئے، کچھ بیٹھے ہوئے۔ اچانک ایک سوال میرے ذہن میں آیا " یہ مختلف قومیتوں کے اور مختلف مذہبوں کے لوگ یہاں لڑتے کیوں

نہیں"۔ یہ سوال عجیب بھی تھا اور غیر متعلق بھی۔ مگر اس سوال نے ایک اہم حقیقت مجھ پر واضح کر دی۔ اس پر غور کرتے ہوئے مجھ پر کھلا کہ اس کی وجہ ذاتی مشغولیت ہے۔ ہر شخص اپنے مسائل اور اپنے انٹرسٹ میں اتنا زیادہ گم ہے کہ کسی کو دوسرے سے الجھنے کا موقع نہیں۔

میں نے کہا کہ یہ باہمی لڑائی کے خلاف قدرت کا ایک طاقت ور چیک ہے۔ اس طرح قدرت نے ہر ایک کو اپنی ذات میں اتنا زیادہ گم کر دیا ہے کہ اگر اس کو چھیڑا نہ جائے تو کبھی دنگا اور فساد کی نوبت نہ آئے۔

میں ایئر پورٹ کی انتظار گاہ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھی ایئر پورٹ ٹیکس ادا کرنے چلے گئے۔ کیوں کہ ایئر پورٹ ٹیکس کی ادائیگی کی رسید حاصل کئے بغیر بورڈنگ پاس نہیں مل سکتا تھا۔ دو آدمی کے لئے چھ سو روپیہ ایئر پورٹ ٹیکس ادا کیا گیا۔ یہ ایئر پورٹ ٹیکس سب کو دینا پڑتا ہے۔ صرف حاجیوں کے لئے یہ سفر ٹیکس معاف ہے ــــــ سیکولر ملک میں بھی کیسی کیسی غیر سیکولر نعمتیں مسلمانوں کو حاصل ہیں۔

بورڈنگ کارڈ اور دوسرے مراحل سے گزر کر چیکنگ کاؤنٹر پر پہنچا تو وہاں بیٹھے ہوئے آدمی نے میرا پاسپورٹ دیکھتے ہوئے پوچھا: آپ آتھر ہیں۔ ہاں۔ کیا ناول لکھتے ہیں۔ نہیں، میرا موضوع نان فکشن ہے۔ اس طرح کے مختصر سوال و جواب کے بعد آگے بڑھا تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ عام انسان کے نزدیک کتاب سے مراد بس ناول یا افسانہ ہے۔ کیوں کہ لوگوں کے نزدیک زندگی کا اصل مقصد پیسہ کمانا ہے۔ کتاب وغیرہ کو وہ صرف تفریح کی چیز سمجھتے ہیں۔ اور تفریح ناول افسانہ سے ہوتی ہے نہ کہ سنجیدہ کتابوں کے مطالعہ سے۔ کتاب یا مطالعہ کا مقصد شعور کا ارتقا تھا۔ مگر آج وہ بس وقتی تفریح کا سامان بن کر رہ گیا ہے۔

دہلی ایئر پورٹ پر انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایئر پورٹ کا ایک آدمی آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں واکی ٹاکی تھی اور دوسرے ہاتھ میں چوڑا ٹیپ۔ اس نے بلند آواز سے پکارا: پسنجر راجندر سنگھ مسافر اٹھا تو اس نے کہا کہ آپ کا ایک سامان ڈیمج (damage) ہو گیا ہے۔ چل کر اس کو پہچان کر لیں۔ پہچان کرانے کے بعد اس نے اپنا ٹیپ کھولا اور اس کو چاروں طرف سے لگا کر ان کے بنڈل کو خوب مضبوط کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر میرا جی بھر آیا۔ باچشم گریہ میں نے کہا: خدایا، اس مسافر کا تو ایک سامان ڈیمیج ہوا تھا اور تلاش کرنے والے نے تلاش کر کے اس کو درست کر دیا۔ میرا تو سب کچھ ڈیمیج ہو چکا ہے۔ حتی کہ اِس عمر کو پہنچ کر آپ کا دیا ہوا جسم بھی اب ڈیمیج ہو گیا۔ خدایا، تو اپنے فرشتوں کو نہ بھیج دے جو تیری قدرت کی 'ٹیپ' کے ذریعہ میرے تمام ڈیمیج کو درست کر دیں۔

دہلی سے روم کے لئے ایئر انڈیا کی فلائٹ ۱۷ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ ایئر انڈیا کی میگزین نمسکار (ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۹۳) دیکھا۔ اس کے ایک مضمون کا عنوان تھا ــــــ برٹش راج کا تاج:

The Taj of the Raj

یہ مضمون کلکتہ کی ۷۲ سالہ بلڈنگ وکٹوریہ میموریل کے بارہ میں تھا۔ بتایا گیا تھا کہ ۱۹۰۱ میں جب کوئن وکٹوریہ کا انتقال ہوا اس وقت لارڈ کرزن انڈیا میں برٹش وائسرائے تھے۔ انھوں نے تجویز کیا کہ کوئن کی ایک یادگار کلکتہ میں قائم کی جائے۔ اس وقت کلکتہ یہاں کی راجدھانی تھا۔ اس کے مطابق کلکتہ کا وکٹوریہ میموریل ہال تعمیر کیا گیا۔ مضمون میں اس کے مختلف پہلوؤں کا تعارف کراتے ہوئے آخر میں یہ جملہ درج تھا کہ اس سال جب کہ میموریل اپنی ۷۲ سالہ تقریب منا رہا ہے، وہ ماضی کی ایک شاندار یادگار کے طور پر اب بھی باقی ہے، ایک ماضی جو ناقابل انقطاع طور پر حال سے جڑا ہوا ہے:

it remains quintessentially a majestic testimony to the past — a past that is inexorably linked to the present. (36)

یہ خوبصورت جملہ صرف آدھے معنی میں درست ہے۔ عمارت کے اعتبار سے وہ ماضی سے حال تک جڑا ہوا ہے۔ مگر جس راج کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی تھی وہ راج ۱۹۴۷ میں ختم ہو گیا۔ جو لوگ اس فرق کو نہ سمجھیں اور عمارت کے اوپر سیاست کو قیاس کر کے ماضی کے راج کو حال تک وسیع کرنا چاہیں وہ ملے ہوئے حال کو بھی برباد کر دیں گے۔

یہ فلائٹ براہ راست دہلی سے روم کے لئے تھی۔ دونوں کے درمیان مسافت ۶۳۸۵ کیلو میٹر ہے۔ یہ سفر پورے آٹھ گھنٹہ میں طے ہوا۔ کچھ وقت سونے میں گزرا اور کچھ وقت پڑھنے میں۔ یہاں تک کہ جہاز پر سکون طور پر روم کے ہوائی اڈہ پر اتر گیا۔

روم کے بارہ میں ایک دلچسپ خبر نظر سے گزری۔ ایک اطالوی اخبار (PAESE SERA) کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ اٹلی کے دار السلطنت کو پندرہ ملین چوہے کتر رہے ہیں :

The capital of Italy is now being gnawed away by some 15 million rats.

خبر میں کہا گیا تھا کہ چوہوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس ابدی شہر (Eternal city) کے لئے زبردست خطرہ بن گئی ہے۔ کبھی ٹیلیفون کام نہیں کرتا اور تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ چوہے نے لائن کاٹ دی ہے۔ کبھی بجلی فیل ہو جاتی ہے اور اس کا سبب چوہے ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ابھی تک اس مسئلہ کا کوئی مؤثر حل دریافت نہیں کیا جا سکا ہے — مہلک گیس چھڑک کر تمام چوہوں کو مارا جا سکتا ہے۔ مگر چوہوں کا یہ خاتمہ اس قیمت پر ہوگا کہ اسی کے ساتھ انسان بھی ختم ہو چکے ہوں — وہ روم جو انسانی فوجوں کے لئے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا، وہ چوہے کی فوج کا مقابلہ کرنے سے بھی عاجز ہے۔

مہاتما گاندھی ایک سفر کے دوران دسمبر ۱۹۳۱ میں روم آئے تھے۔ انھوں نے پوپ اور مسولینی دونوں سے ملاقات کی کوشش کی۔ ان کے سوانح نگار مسٹر لوئی فشر نے اپنی ۵۵۰ صفحہ کی کتاب (The Life of Mahatma Gandhi) میں لکھا ہے کہ پوپ نے کسی وجہ سے ملاقات کا وقت نہیں دیا۔ مسولینی سے ان کی ملاقات ہوئی جو صرف دس منٹ تک جاری رہ سکی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ گاندھی عدم تشدد کی بات کرتے تھے اور مسولینی تشدد کے طریقے پر یقین رکھتا تھا۔ مہاتما گاندھی کا بیان ہے کہ عمارت کے جس راستہ سے گزار کر انھیں مسولینی کے کمرہ میں پہنچایا گیا، اس کی دیواروں پر ہر طرف تلواریں لگی ہوئی تھیں۔ خود دفتر کی دیواریں بھی تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مزین کی گئی تھیں (صفحہ ۲۹۵)

مسولینی نے دوسری عالمی جنگ میں یہ سمجھ کر شرکت کی کہ وہ دوبارہ عظیم اطالوی ایمپائر قائم کرنے جا رہا ہے۔ مگر اس کے جنگی اقدامات نے صرف اٹلی کو تباہ کیا۔ جولائی ۱۹۴۳ میں وہ خود اپنے ملک میں گرفتار کرکے قید کر دیا گیا۔ وہاں سے بھاگ کر وہ جرمنی پہنچا۔ مگر جرمنی میں بھی اس کو سکون کی جگہ نہ مل سکی۔ ۲۸ اپریل ۱۹۴۵ کو جرمن فوجیوں نے اس کو عین اسی وقت گولی مار کر ہلاک

کر دیا جب کہ وہ بھیس بدل کر جرمنی سے فرار ہونا چاہتا تھا۔

جو لوگ موجودہ زمانہ میں "تلوار" کی بات کرتے ہیں، انھیں مسولینی اور اس کے جیسے دوسرے دیوانوں کے انجام سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

روم میں حال میں ایک شاندار مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ اس کی تجویز سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں اٹلی کے حکمراں مسولینی کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ اس کے مجوز ایرانی نسل کے اطالوی مسلمان عبد الباسم امینی تھے۔ مگر مسولینی نے اس کو منظور نہیں کیا۔ شاہ فیصل کی کوششوں سے ۱۹۷۳ میں اٹلی کی حکومت نے اس کی اجازت دے دی۔ دو ہزار مربع میٹر کا ایک پلاٹ بھی حاصل ہو گیا۔ ۱۹۸۳ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ دس سال میں ۵۰ ملین ڈالر کے خرچ سے یہ مسجد اور اسلامی مرکز تیار ہوا۔ خرچ کی بیشتر رقم سعودی عرب نے ادا کی ہے۔

یہ ایک دو منزلہ عمارت ہے جس میں دو ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے اندر ایک کافی بڑی لائبریری ہے۔ پانچ سو نشستوں کا خوبصورت کانفرنس ہال ہے۔ میں نے جس وقت اس کو دیکھا اس وقت ڈاکٹر عبد القیوم خاں اس کے ڈائرکٹر تھے۔ وہ الرسالہ کے مستقل قاری ہیں۔ روم میں ایک ہزار چرچ ہیں۔ مگر پر فضا ماحول کے اعتبار سے یہ واحد اسلامی سنٹر سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ اٹلی میں تقریباً چار لاکھ مسلمان ہیں۔ ان میں سے ۱۰ ہزار نومسلم ہیں۔

Rome's Islamic centre promotes Islamic activities

The Islamic Centre based in the Italian capital, Rome, after gaining recognition by the Government has redoubled its efforts to propagate Islamic Faith and culture throughout the country. Besides providing necessary facilities, the Centre periodically holds seminars and lectures on various aspects of the Islamic culture and civilization. The Centre has also established special institutes for studies on the Holy Qur'an and the tradition of the Prophet (peace be on him). One of the outstanding achievements of the Centre is production of a television series in the Italian language on the condition of the Muslim immigrants in Italy focussing on the problems faced by the immigrants in, carrying out their religious and cultural obligations in the country. The Centre has also published 5000 copies of a book on Islamic worship and other subjects with Italian translation for the benefit of non-Arabs. The production of the book was financed by a prominent Italian Baron Bourna Nova who had embraced Islam a few years ago. The Islamic Centre in Rome has established an institution for teaching Arabic, English and Italian languages for the Muslims living in the various parts of the country and the centre also offers this facility to non-Muslims interested in acquiring the knowledge of Islamic Faith, culture and its civilization.

مکہ کے ہفت روزہ العالم الاسلامی (The Muslim World) کے شمارہ ۱۱ - ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۳ کے انگریزی حصہ میں ایک رپورٹ چھپی تھی۔ یہ روم کے اس اسلامک سنٹر کے بارہ میں تھی جو عربوں کے تعاون سے وہاں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف سعودی عرب کی مشہور دینی شخصیت ہیں۔ وہ رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے روم گئے۔ وہاں انھوں نے پوپ جان پال دوم سے ملاقات کی۔ روم میں انھوں نے ورلڈ نیوز لنک کو ایک مفصل انٹرویو دیا۔ یہ انٹرویو حیدر آباد کے انگریزی روزنامہ نیوز ٹائم (Newstime کے شمارہ ۱۷ فروری ۱۹۹۳ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ان سے ایک سوال یہ کیا گیا کہ فنڈ منٹلسٹ تحریکیں جو مسلم دنیا میں پھیل رہی ہیں ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں ان کے متشددانہ طریقوں کی تائید نہیں کرتا۔ تشدد کا طریقہ اختیار کرنا مکمل طور پر غیر اسلامی ہے:

It is totally unIslamic to use violence.

ایک اور سوال سلمان رشدی کے خلاف قتل کے فتویٰ کے بارے میں تھا۔ انھوں نے کہا کہ اس قسم کی بات سراسر جذباتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج انسانی حقوق کو فروغ دینا چاہئے۔ موت کی سزا صرف ان مجرمین کو دینا چاہئے جو لوگوں کو قتل کریں۔ بقیہ ہر شخص کو انسانی حقوق دیا جانا چاہئے:

Q. What is your opinion of the death penalty imposed on the British author Salman Rushdie.

A. Some people, in emotion, pass these resolutions. I think that today we must promote human rights. The death penalty should be only for criminals who commit the crime of killing people. But otherwise, human rights should be given to everybody.

یہ باتیں اگر ہندستان کا کوئی عالم کہے تو تمام مسلمان اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے اور اس کے سر پر لاکھوں روپیہ کا انعام مقرر کریں گے۔ لیکن یہی بات جب سعودی عرب کا ایک عالم کہتا ہے تو اس پر کوئی شور برپا نہیں ہوتا اور نہ کوئی ہنگامہ کھڑا ہوتا۔ ہمارے خود ساختہ نمائندگان اسلام

اس کے خلاف احتجاج نہیں کرتے۔ جو لوگ سعودی عرب میں ایک رویہ اختیار کریں اور بقیہ ملکوں میں دوسرا رویہ، ایسے لوگ حدیث کی زبان میں ذوالوجہین ہیں۔ اور ذوالوجہین ہونا انسانیت کے مطابق بھی نہیں، کجاکہ وہ ایمان واسلام کے مطابق ہو۔

روم سے میلانو کے لئے الیتالیا کی ڈومسٹک فلائٹ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ جہاز ٹھیک وقت پر روم سے روانہ ہوا۔ اس کی کارکردگی اور اندرونی سروس، ہر چیز انٹرنیشنل معیار کے مطابق تھی۔

مجھے یاد آیا کہ اورنگ آباد میں جب انڈین ایرلائنز کا ایک کمرشیل جہاز (Boeing 377) حادثہ کا شکار ہوا اور اس میں ۵۵ مسافر ہلاک ہوگئے تو اٹلی کی حکومت نے ایک ٹریول ایڈوائس جاری کی۔ اس میں اطالوی سیاحوں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ انڈیا میں انڈین ایرلائنز کے ذریعہ سفر کو واائڈ کریں۔ کیوں کہ اس سے سفر کرنا غیر محفوظ (unsafe) ہے۔ اس پر حکومت ہند نے ایک بیان (ٹائمس آف انڈیا ۲۰ جون) جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اس قسم کا مشورہ سراسر احمقانہ اور بے بنیاد ہے:

Such an advice was absolutely silly and baseless.

میں نے جب انڈین ایرلائنز اور الیتالیا کا عملی تقابل کیا تو مجھے خود یہ تردید بے بنیاد نظر آئی۔ یہ انسان کی عام کمزوری ہے کہ جب اس کی کسی کوتاہی کو بتایا جائے تو وہ اصلاح کے بجائے تردید کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ حالاں کہ اگر کوتاہی کی نشاندہی کے بعد اصلاح پر توجہ صرف کی جائے تو وہ زیادہ مؤثر تردید کا کام کرے گی۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔ یہ واقعہ ۱۴ جون کو دہلی ایرپورٹ پر پیش آیا۔ وزیر اعظم ہند مسٹر نرسمہاراؤ سرکاری وزٹ پر عمان (مسقط) جارہے تھے۔ اس سفر کا مقصد یہ تھا کہ سرحد پار سے دہشت گردی کو روکنے کے لئے حکومت مسقط کا تعاون حاصل کیا جائے۔ اس تعاون کے جواب میں حکومت ہند نے مسقط کو جدید ٹکنالوجی کی تربیت دینے میں تعاون کی پیش کش کی۔

وزیر اعظم اپنے خصوصی ہوائی جہاز پر پوری ٹیم سمیت سوار ہو چکے۔ ہوائی جہاز کے دروازے

بند کر دئے گئے۔ قریب تھا کہ جہاز اپنے سفر پر روانہ ہو۔ اچانک معلوم ہوا کہ ایک صاحب (مسٹر نریندر) بھی جہاز کے اندر بند ہو گئے ہیں جو وزیر اعظم کے ساتھ جانے والے نہیں تھے اور صرف پہنچانے کے لئے جہاز کے اندر داخل ہو گئے تھے۔ اس علم کے فوراً بعد ہوائی جہاز کے اندر اور باہر تیزی سے حرکت شروع ہوگئی۔ مخصوص سیڑھی واپس لائی گئی۔ جہاز کا پچھلا دروازہ دوبارہ کھولا گیا۔ اور مذکورہ صاحب جہاز کے باہر تشریف لائے (ملاحظہ ہو ذیل کی تصویر جو ہندستان ٹائمس ۱۵ جون ۱۹۹۳ سے لی گئی ہے)

جس ملک میں وزیر اعظم تک کے معاملہ میں کارکردگی کا یہ حال ہو، اس ملک میں عوام کو اگر سرکاری شعبوں میں ناقص کارکردگی کا تجربہ ہو تو اس پر نہ تعجب کرنے کی ضرورت ہے اور نہ افسوس کرنے کی ضرورت۔

اس سفر میں میرے ساتھ ڈاکٹر ثانی اثنین خاں بھی ہیں۔ روم سے میلان کے لئے روانگی



A flutter was caused at the airport in New Delhi on Monday as the ramp was brought back and the rear door of Prime Minister's special plane opened again minutes after it was closed. Out came P.I.O.S. Narendra who was not scheduled to accompany the Prime Minister but found himself locked in. — PTI photo

ہوئی۔ روم سے میلان کی پرواز تقریباً ۴۵ منٹ کی ہے۔ ہم لوگ میلان پہنچے تو سہ پہر کا وقت تھا۔ جب کہ اس وقت دہلی میں رات ہو چکی تھی۔ ایئر پورٹ کے وی آئی پی لاونج میں کچھ وقت گزرا یہاں کانفرنس کے منتظمین سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ان سے دیر تک میلان کی شہری اور تاریخی معلومات پر گفت گو ہوئی۔ ایئر پورٹ سے روانہ ہوئے تو گاڑی سیدھے ہوٹل نہیں گئی بلکہ شہر کے مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ہوٹل پہنچی۔ اس طرح پہلے ہی دن شہر کا بڑا حصہ دیکھ لیا۔

میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان ملکوں میں ہر چیز کا ایک معیار مقرر ہو گیا ہے۔ مثلاً سڑکوں پر کثرت سے گاڑیاں دوڑ رہی ہیں، مگر وہ نہ آواز نکالتیں اور نہ ہی ہارن بجاتیں۔ فٹ پاتھ پر کہیں خرید و فروخت کا منظر دکھائی نہیں دیتا۔ مکانات کی ایک خوبصورت وضع ہر جگہ برقرار رہتی ہے۔ دہلی میں کہیں لال بتی پر گاڑی کھڑی ہوتی ہے تو مانگنے والے اس کو گھیر لیتے ہیں۔ یہاں اس قسم کا منظر بھی کہیں نہ تھا۔ بدنظمی اور بے ترتیبی کی مثالیں بھی دکھائی نہیں دیں۔

عام لوگ جب ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو ان کو پہلا خیال یہ آتا ہے کہ ان کو بھی یہاں بسنے کا موقع مل جائے۔ مگر میرے دل میں ہمیشہ یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ ہمارا وطن بھی کاش ایسا ہی ترقی یافتہ ہو جائے۔ مگر سرگرمیوں کے طوفان میں ابھی تک ہمارے یہاں اس کی شروعات بھی نظر نہیں آتی۔

میلان میں میرا قیام ہوٹل (Hotel Palazzo Delle Stelline) کے کمرہ نمبر ۲۴۵ میں تھا۔ ۱۸ اگست کو عشاء کی نماز میں نے یہیں پڑھی۔ اس کے بعد سو گیا۔ جلد ہی گہری نیند آگئی۔ رات کو ایک عجیب اور نئے قسم کا خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کہ تمہاری کتابیں بخاری کی کتاب کی طرح ہو جائیں گی۔

یہ خواب غالباً دونوں میں ایک ظاہری مشابہت کی بنا پر ہے۔ محمد بن اسماعیل البخاری (۱۹۴ - ۲۵۶ھ) صاحب صحیح کے بارہ میں امام مسلم نے کہا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کے مثل کوئی نہیں۔ آپ سے صرف اسی کو بغض ہو سکتا ہے جو حاسد ہو (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۶۶) اس عظمت کے باوجود حضرت امام کا یہ حال ہوا کہ وہ بخارا میں تھے کہ ایک گروہ کو ان سے تعصب ہو گیا۔ اس نے ان کے اوپر تہمتیں لگائیں۔ یہاں تک کہ امام بخاری اپنے وطن سے نکل کر خرتنگ چلے گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی (الاعلام

۴/۶ مگر آخر کار صحیح بخاری دنیا کی مقبول ترین کتاب بن گئی۔ اسی طرح انشاء اللہ ابتدائی مخالفتوں کے بعد وہ وقت آئے گا جب کہ یہ غبار ہٹے اور میری تحریریں مقبول عالم تحریریں بن جائیں۔

مسیحیوں میں ایک سینٹ ایجی ڈیو (Egidio) گزرے ہیں۔ ان کا ابتدائی نام البوز نو (Gil Alvarez Carrillo de Albornoz) تھا۔ وہ ۱۳۱۰ میں اسپین میں پیدا ہوئے، ۱۳۶۷ میں اٹلی میں ان کی وفات ہوئی۔ انھوں نے سپاہی کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد وہ چرچ سے وابستہ ہو گئے اور کارڈینال کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس زمانہ میں بعض وجوہ سے پوپ یازدہم (Pope Gregory XI) کو روم چھوڑ کر فرانس کے شہر اویگنوں (Avignon) چلا جانا پڑا تھا۔ سینٹ ایجی ڈیو اپنی خصوصی کوشش سے پوپ کو دوبارہ روم واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔

انھیں سینٹ ایجی ڈیو کے نام سے ایک مسیحی تنظیم ہے جس کا صدر دفتر روم میں ہے۔ اس کا نام کمیونٹی آف سینٹ ایجی ڈیو (Community of S. Egidio) ہے۔ میلان کی انٹرنیشنل کانفرنس اسی کمیونٹی کی طرف سے کی گئی تھی۔

یہاں کی تاریخی شخصیتوں میں سے ایک گیان گالیزو وسکونتی (Gian Galeazzo Visconti) ہے۔ وہ ۱۳۵۱ء میں میلان میں پیدا ہوا۔ پچاس سال کی عمر کو پہنچ کر ۳ ستمبر ۱۴۰۲ء کو اچانک اس کی وفات ہو گئی۔

گیان گالیزو کا والد میلان کا نواب تھا۔ والد کی وفات کے بعد میلان کی سیاسی تقسیم ہوئی۔ نصف حصہ گیان گالیزو کو ملا اور بقیہ نصف اس کے بھائی برنابو (Bernabo) کے پاس رہا۔ برنابو نے فرانس سے تعلقات پیدا کر کے اپنی طاقت بڑھانا شروع کیا۔ اس کو گیان گالیزو نے اپنے لئے ایک سیاسی خطرہ سمجھا، اس نے گھات لگا کر برنابو کو گرفتار کر لیا اور اس کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ برنابو ایک سال کے اندر ہی قید خانہ میں مر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ گیان گالیزو نے اس کو زہر دیکر مروایا تھا۔

اب گیان گالیزو کے لئے میدان خالی تھا۔ اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس نے پورے شمالی اٹلی میں غالب حیثیت حاصل کر لی۔ اپنی غیر معمولی صلاحیت کی بنا پر وہ

مسلسل اپنی حکومت کا رقبہ اور طاقت بڑھاتا رہا۔ کہا جانے لگا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ وہ پورے اٹلی کا حکمراں بن جائے۔ مگر حکومت پر قبضہ کے ۲۴ سال گزرے تھے کہ وہ پلیگ میں مبتلا ہوا اور چند دن بیمار رہ کر مرگیا۔

یہی ہر شخص کی کہانی ہے۔ اس دنیا میں ہر آدمی کو صرف "۲۴ سال" ملتے ہیں، مگر ہر آدمی اس طرح عمل کرتا ہے گویا کہ وہ ۲۴ ہزار سال تک زندہ رہنے والا ہے۔ کسی بھی اگلے شخص نے اپنے پچھلے شخص سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔

نویں صدی عیسوی میں اغالبہ اٹلی کے جنوبی حصہ میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ بڑھتے ہوئے ۸۴۶ میں روم تک پہنچ گئے۔ مگر روم کی مضبوط دیواروں کو عبور کرنا ان کے لئے ممکن نہ ہو سکا۔ اس لئے وہ یہیں سے واپس ہو گئے۔ ہوائی جہاز کے دور میں کوئی دیوار پیش قدمی میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ مگر قدیم زمانہ میں تمام بڑے بڑے شہر دیواروں سے گھرے ہوئے تھے، اور ان دیواروں کو عبور کرنا عام طور پر سخت دشوار ہوتا تھا۔

تاہم اٹلی کے ساحلی علاقہ باری (Bari) میں عربوں کی حکومت تقریباً ۳۰ سال قائم رہی۔ ۸۷۱ء میں عیسائیوں نے دوبارہ باری کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اٹلی میں مسلمانوں کا زور اس حد تک بڑھا کہ پوپ جان ہشتم (۸۸۲-۸۷۲) نے مسلم حکمرانوں کو خراج ادا کیا۔ سسلی پر مسلمانوں کا قبضہ ۸۲۷ میں شروع ہوا تھا جو تقریباً ۲۰۰ سال تک جاری رہا۔ مگر خاص اٹلی میں ان کا نفوذ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مسلمانوں کے جن فوجی سرداروں نے باری پر قبضہ کیا تھا، انھوں نے اپنے "سلطان" ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح وہ سسلی کی مسلم حکومت سے کٹ گئے۔

Philip K. Hitti, ‘History of Arabs, p. 605

یہ کمزوری آج بھی مسلمانوں میں بہت بڑے پیمانہ پر پائی جاتی ہے۔ جس مسلمان کو بھی کہیں موقع ملتا ہے وہ مرکز سے بغاوت کر کے شاخ پر قبضہ کر لیتا ہے۔ یہی واحد سب سے بڑا سبب ہے جس کی بنا پر مسلمانوں میں کوئی بڑا کام نہیں ہو پاتا۔

اٹلی ہی کا ایک حصہ جزیرۂ سسلی ہے۔ یہاں کے شہر پلرمو (Palermo) پر عربوں نے ۸۳۱ء

یں قبضہ کیا اور اس کے بعد پورے سسلی (صقلیہ) پر اپنی حکومت قائم کی۔ پلرمو اور سسلی کو انہوں نے ہر لحاظ سے ترقی دی۔ وہ تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ انھوں نے یہاں نئے زرعی طریقے رائج کئے۔ اور باغبانی کو غیر معمولی ترقی کے درجہ تک پہنچا دیا:

The city prospered under Muslim rule as an emporium of the rich trade with North Africa. New agricultural techniques were introduced, and luxuriant gardens were planted in the Conca d'Oro (13/930).

دور اول میں مسلمانوں کو عظمت کا جو مقام ملا اس کا راز "شمشیر و سنان" نہیں تھا۔ اس کا حقیقی راز صرف ایک تھا۔ اور وہ نفع بخشی تھا۔ دور اول کے مسلمان اہلِ عالم کے لئے نفع بخش بنے، اس لئے اہل عالم نے ان کو عزت اور سرداری کے مقام پر بٹھایا۔ موجودہ زمانہ کی مسلم نسلوں نے نفع بخشی کی صلاحیت کھو دی ہے، اس لئے موجودہ زمانہ میں انھیں عزت و سرداری بھی نہ مل سکی۔ اب کھوئی ہوئی حیثیت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ہمیں دوبارہ دوسروں کے لئے نفع بخش بننا پڑے گا۔ لفظی شور و غل یا منفی ہنگاموں سے کبھی مسلمانوں کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے، اور قدرت کے قانون میں تبدیلی ممکن نہیں۔

جیسا کہ معلوم ہے، مسلمانوں کی یلغار یورپ کی طرف جاری رہی۔ یہاں تک کہ وہ ویانا اور وینس (Venice) اور روم تک پہنچ گئے۔ ٹائم میگزین کا اسلام پر خصوصی الشوہ ۱۵ جون ۱۹۹۲ میں نکلا تھا۔

اس میں اس نے لکھا تھا کہ موجودہ مسلمان یورپ کی زیادتیوں کی شکایت کرتے ہیں، حالاں کہ مسلمانوں کے پورے دور اقتدار میں مسیحی دنیا اپنے آپ کو محاصرہ کے اندر محسوس کرتی تھی۔ ۶۳۲ میں پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ایک صدی کے اندر مسلمانوں نے اسپین کو فتح کر لیا تھا اور وہ فرانس کے دروازہ پر دستک دے رہے تھے۔ شارلیمین کے باپ چارلس مارٹل نے تورس کی جنگ میں ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔ تاہم ۱۴۵۳ میں عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا اور بلقان کے راستہ سے یورپ کی طرف بڑھنے لگے۔ ۱۶۸۳ میں ویانا کے ناکام محاصرہ نے ان کی مزید توسیع کو آخر کار روک دیا:

Yet if Muslims today see themselves as victimized by the West, for most of their history it was Christendom that felt under siege. Within a century of the Prophet's death in 632, the Moors had conquered Spain and were knocking on the doors of France. Charles Martel, father of the Frankish Emperor Charlemagne, stopped them at the Battle of Tours. By 1453, however, the Ottoman Turks had captured Constantinople and were marching through the Balkans toward the back door of Europe. The last, failed siege of Vienna in 1683 halted that expansion. (p.23)

پچھلے ہزار برس کی تاریخ کا بیشتر پہلا حصہ مسلم یلغار کا دور تھا۔ اس کا دوسرا حصہ مغربی یلغار کا دور ہے۔ یہ انصاف کے خلاف ہوگا کہ ابتدائی حصہ کو بھلا دیا جائے اور صرف آخری حصہ کو یاد رکھا جائے۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کو قرآن کی اس آیت سے نصیحت لینا چاہئے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے تو ان کو بھی اسی طرح کا زخم پہنچا ہے۔ اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں (آل عمران ۱۴۰)

میلان کی قدیم تاریخ سے جو واقعات وابستہ ہیں، ان میں سے ایک وہ ہے جو الرازی (۸۶۵-۹۲۳) سے متعلق ہے جو اسلامی تاریخ کا مشہور فلسفی اور طبیب تھا۔ الرازی کی ایک مشہور طبی تصنیف کتاب الطب المنصوری ہے۔ یہ کتاب اس نے دس جلدوں میں تیار کی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ لاتینی زبان میں گیرارڈ (Gerard of Cremona) نے کیا۔ یہ لاتینی ترجمہ پہلی بار میلان سے پندرھویں صدی کی ثمانینات میں شائع ہوا۔

گیرارڈ اٹلی کے شہر کریمونا میں ۱۱۱۴ء میں پیدا ہوا۔ یہ مقام میلان سے قریب ہے۔ گیرارڈ چاہتا تھا کہ وہ بطلیموس کی کتاب المجسطی کا ترجمہ لاتینی زبان میں کرے۔ اس وقت یہ کتاب صرف عربی میں دستیاب تھی۔ چنانچہ گیرارڈ عربی زبان سیکھنے کے لئے طلیطلہ (Toledo) گیا۔ وہاں عربی سیکھ کر اس نے المجستی کا ترجمہ لاتینی زبان میں کیا۔ اس کے بعد وہ طلیطلہ میں رہ گیا۔ مسلم اسپین کے اسی شہر میں ۱۱۸۷ء میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے تقریباً ۸۰ عربی کتابوں کا ترجمہ لاتینی زبان میں کیا۔

یہ آٹھ سو سال پہلے کی بات ہے جب کہ یورپ کو خود اپنے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے عربی زبان کی ضرورت ہوتی تھی۔ آج یہ حالت ہے کہ دنیا کی اکثر یونیورسٹیوں اور لائبریریوں اور تحقیقی اداروں میں عربی زبان موجود مگر زیادہ تر تاریخی اعتبار سے۔

اٹلی کی روشن خیالی (Enlightenement) کو عام طور پر بیساریا (Beccaria) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس نے اپنی قوم کو یہ نعرہ دیا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشی:

the greatest happiness for the greatest number.

مگر سوال یہ ہے کہ خود بیساریہ کو یہ تصور کہاں سے ملا۔ کیوں کہ اس سے پہلے رومن ایمپائر کے طویل دور میں اہل اٹلی صرف یہ جانتے تھے کہ ہم اپنے بادشاہ کی رعایا ہیں۔ ہمارا اپنا کوئی حق نہیں۔ ہمارے لئے بس وہی ہے جو تاجدار طبقہ ہمیں دیدے۔ اہل اسلام نے جب رومن ایمپائر کے مشرقی حصہ کو توڑا اور تمام انسانوں کی برابری کا انقلابی اعلان کیا، اس کے بعد ہی وہ وقت آیا جب کہ کوئی شخص یہ سوچ سکے کہ خوشی سب کے لئے ہے نہ کہ صرف کچھ لوگوں کے لئے۔

اٹلی کی تاریخ میں بہت سے سبق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت مسیح کے ابتدائی شاگردوں کی تبلیغ سے اس علاقہ میں مسیحیت داخل ہوئی۔ مگر اس زمانہ کے رومی بادشاہوں ڈیسیس (Decius) اور ویلیرین (Valerian) نے اس کو اپنے قدیم مشرکانہ مذہب کے خلاف سمجھا جس میں سورج کو سب سے بڑے خدا کا مقام حاصل تھا۔ چنانچہ ان کے زمانہ میں مسیحیوں کی سخت تعذیب (Persecution) شروع ہوئی جو چوتھی صدی عیسوی کے آغاز میں تقریباً ۲۰ سال تک جاری رہی۔

مگر قسطنطین اول (Constantine I) مسیحیت سے متاثر ہو گیا۔ کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ اپنی ۳۱۲ء کی جنگ اس نے اس مسیحی مونوگرام کی وجہ سے جیتی ہے جو اس نے اپنی فوجوں کی ڈھال پر نقش کرائی تھی۔ اس کے بعد اس نے مسیحی مذہب قبول کر لیا۔ اور پوری مسیحی سلطنت میں مسیحیوں کے خلاف دار و گیر ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلہ میں اس نے اس معاہدہ پر دستخط کئے جو میلان میں لکھا گیا تھا۔ اس لئے وہ (Edict of Miloan) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ زمانہ الناس علیٰ دین ملوکہم کا تھا۔ چنانچہ اس کے جلد ہی بعد مسیحیت سارے رومن ایمپائر میں پھیل گئی۔

چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں مسیحیت رومن ایمپائر میں ایک مظلوم مذہب کی حیثیت رکھتی تھی۔ مگر اس صدی کے آخر میں مسیحیت نے رومن ایمپائر میں فاتح مذہب کی

حیثیت حاصل کرلی۔ یہ دنیا انقلابات کی دنیا ہے۔ یہاں کوئی صورتحال پیش آنے پر نہ کسی کے لئے فخر کا موقع ہے اور نہ کسی کے لئے مایوسی کا۔ ہر فخر یہاں آخر کار ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ہر مایوسی آخر کار امید کے نئے واقعہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یورپ میں جو ابتدائی میڈیکل کالج قائم ہوئے ان میں سے ایک میڈیکل کالج وہ ہے جو پندرھویں صدی عیسوی میں اٹلی کے شہر سلرنو (Salerno) میں قائم کیا گیا۔ اس میں ابوالقاسم (Abulcasis) کی کتاب بطور نصاب داخل کی گئی۔

ابوالقاسم الزہراوی (۱۰۳۰ - ۱۱۰۶) مشہور ترین عرب سرجن ہے۔ اس کا تعلق قرطبہ سے تھا۔ اس کی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف کا لاتینی ترجمہ گیرارڈ آف کریمونا نے کیا تھا۔ وہ ۱۴۹۷ میں وینس سے چھپا۔ اس کے بعد ۱۵۴۱ میں بیسل سے اور ۱۷۷۸ میں آکسفورڈ سے شائع ہوا۔ یہ کتاب صدیوں تک یورپ کے طبی اداروں میں خصوصی اہمیت کے ساتھ پڑھائی جاتی رہی ہے۔

ایک مستشرق کے الفاظ میں، الزہراوی کی اس کتاب کو یورپ میں اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں فن سرجری کے بارہ میں نئے خیالات (new ideas) موجود تھے جو اس وقت کی کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے تھے ——— اس دنیا میں نئے پن کی قیمت ہوتی ہے۔ جو شخص کوئی نیا تخلیقی آئیڈیا پیش کرے، وہ لازمی طور پر لوگوں کے درمیان قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

ایک مسلم میگزین میں میں نے پڑھا کہ "اسلام اٹلی کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے۔" یہ بظاہر بہت بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ اتنی بڑی نہیں۔ اصل یہ ہے کہ اٹلی کی ۵۷ ملین آبادی میں کیتھولک عیسائیوں کا تناسب ۹۸ فیصد ہے۔ دو فیصد میں پروٹسٹنٹ عیسائی اور یہودی وغیرہ ہیں۔ اس دو فیصد آبادی میں مسلمانوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے، ان کی آبادی ملک میں تقریباً چار لاکھ ہے۔ اطالوی مسلمان زیادہ تر شمالی افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو روزگار کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔

دوسری عالمی جنگ کے زمانہ میں جرمنی، اٹلی اور جاپان نے ایک مشترک فوجی محاذ بنایا۔

جس کو محوری اتحاد (Axis coalition) کہا جاتا تھا۔ انھوں نے تمام طاقتوں کے خلاف مکمل جنگ (total war) کا اعلان کیا (19/564)۔ اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے اس سے پہلے ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۲ کو میلان کی ایک خصوصی میٹنگ میں بتایا تھا کہ آج میں دل کے پورے اطمینان کے ساتھ آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ بیسویں صدی فاشزم کی صدی ہوگی۔ اطالوی طاقت کی صدی، ایک ایسی صدی جس کے دوران اٹلی تیسری بار عالم انسانیت کا قائد بن جائے گا:

On October 25, 1932, Mussolini assured a Milan audience of the world leadership of fascist Italy. Today, with a fully tranquil conscience, I say to you, that the twentieth century will be a century of fascism, the century of Italian Power, the century during which Italy will become for the third time the leader of mankind. (7/185)

میلان اپنی جغرافی خصوصیت کی بنا پر مسلسل مختلف قوموں کے حملوں کا شکار رہا ہے۔ رومیوں نے اس کو ۲۲۲ ق م میں گال (Gauls) سے چھینا۔ اس کے بعد بار بار وہ مختلف حملہ آوروں کی زد میں آتا رہا۔ تاہم میلان کے باشندوں کے لئے یہ صورت حال ایک فائدہ کا سبب بن گئی۔ ایک مورخ کے الفاظ میں، ذاتی تحفظ کی ضرورت نے اس کے باشندوں میں ہمت کی صفت پیدا کر دی۔ مزید یہ کہ وہ مال دار اور طاقت ور ہو گئے:

The need of self-protection developed courage in the Milanese, and they also grew rich and powerful. (p.205)

اس دنیا میں ہر ناموافق کے ساتھ موافق موجود ہے۔ تاہم ناموافق واقعہ میں موافق پہلو کو پانے کی ایک لازمی شرط ہے، وہ یہ کہ ایسے مواقع پر آدمی کسی بھی حال میں اپنے اندر شکایتی ذہن پیدا نہ ہونے دے۔

۱۶ ستمبر کے شام کے پروگرام میں میرا مقالہ تھا۔ اس اجلاس کا موضوع تھا: مذہبی بقاء باہم ہندستان میں:

Religious coexistence in India.

میں نے انگریزی میں اپنا مقالہ پڑھا۔ میرے علاوہ تین مقالے اور اس مجلس میں پڑھے گئے۔

۲۱ ستمبر کی صبح کو اٹالین ٹی وی نے انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو کیتھولک یونیورسٹی کے ہال میں ریکارڈ

کیا گیا۔ سوالات کا تعلق کچھ موجودہ کانفرنس سے تھا اور کچھ ہندستان کے حالات سے۔

۱۸ اگست کو شام کا کھانا اجتماعی تھا۔ سب چیزیں اطالوی انداز کی تھیں۔ میں اپنے سادہ کھانے کا اتنا زیادہ عادی ہوگیا ہوں کہ اب دوسرے انداز کی چیزیں کھانا میرے لئے سخت مشکل ہوتا ہے۔

میرے ساتھ کھانے کی بڑی میز پر دوسرے تمام مسیحی حضرات تھے۔ ایک فادر روانی کے ساتھ عربی بول رہے تھے۔ اگرچہ لہجہ خالص عربی نہ تھا۔ میرے پاس ایک کرسی خالی تھی۔ اس پر ایک خاتون آکر بیٹھ گئیں۔ وہ مجھ سے عربی زبان میں سوالات کرنے لگیں۔ وہ بے تکلف عربی بول رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ کا تعلق لبنان سے ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ میں اطالوی ہوں۔ میں نے روم کی یونیورسٹی میں عربی زبان پڑھی۔ پھر میں کئی سال تک شام میں رہی ہوں۔ اب میں روم کی یونیورسٹی میں عربی کے شعبہ میں استاد ہوں۔

مسیحیت کے مذہبی حلقہ میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو دوسری زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے مذہبی حلقہ میں ایسے لوگ شاذ و نادر پائے جاتے ہیں۔ اور شاذ کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ الشاذ کالمعدوم۔

۱۹ استمبر کو صبح کے ناشتہ پر الجزائر کے دو تعلیم یافتہ مسلمانوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ الجزائر میں اس وقت امن و امان مفقود ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب الجزائر چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے ہیں۔ اور دوسرے صاحب وہیں ایک یونیورسٹی میں استاد ہیں۔

انھوں نے کہا کہ الجزائر کی حکومت ایک علمانی حکومت ہے۔ اور اس کے خلاف موجودہ تحریک ایک اسلامی تحریک ہے۔ اس کا مقصد عدل کی حکومت قائم کرنا ہے۔ مگر اس حکومت کو امریکہ اور دُوَل یورپ کی تائید حاصل ہے۔ مسلم ممالک بھی اس کے ساتھ ہیں۔ الجزائر کی فوج کے اعلیٰ افسران بھی حکومت کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ وہ اسلامی تحریک پر ظلم کرنے میں پوری طرح جری ہو گئے ہیں۔ انھوں نے الجزائر کی کئی مسجدیں یہ کہہ کر ڈھا دیں کہ ان کے اندر حکومت کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں اور انقلاب کی سازشیں کی جاتی ہیں۔ یہ مسجدیں اب

تک کھنڈر کی صورت میں پڑی ہوئی ہیں۔

مزید گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ یہ وہ خروج نہیں ہے جو شریعت میں حرام ہے۔ کیوں کہ امام عادل کے خلاف خروج حرام ہے، جب کہ الجزائر کے حکمراں ظالم اور جائر ہیں۔ مگر یہ شرط صحیح نہیں۔ خروج (سیاسی بغاوت) کا مسئلہ عادل اور غیر عادل کے فرق پر مبنی نہیں ہے بلکہ قائم شدہ اور غیر قائم شدہ کے فرق پر مبنی ہے۔ جو حکومت عملاً قائم ہوجائے خواہ وہ کسی کے نزدیک عادل ہو یا غیر عادل، اس کے خلاف خروج لازماً حرام ہوگا۔ اس اعتبار سے الجزائر اور مصر وغیرہ ملکوں میں اسلام کے نام پر سیاسی بغاوت کی جو تحریکیں چل رہی ہیں وہ شرعی مسئلہ کے اعتبار سے سراسر ناجائز ہیں۔ کیوں کہ یہ تحریکیں قائم شدہ حکومتوں کے خلاف چلائی جارہی ہیں۔

۱۹ ستمبر کی شام کو میلان کے سب سے بڑے تھیٹر میں افتتاحی اجلاس ہوا۔ یہ ایک عالمی شہرت یافتہ تھیٹر ہے جو ۱۷۷۶ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ غیر معمولی عظیم ہے۔ زیادہ بڑی بڑی تقریبات اسی کے اندر انجام پاتی ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں تین بڑی تقریریں ہوئیں۔ مقررین میں سابق سوویت یونین کے سابق حکمراں گورباچیف بھی شامل تھے۔

میری سیٹ پہلی صف میں دائیں طرف تھی۔ اس لئے میں گورباچیف کو بہت صاف دیکھ سکتا تھا۔ مسیحی دنیا میں گورباچیف کا استقبال غالباً اس لئے ہوا ہے کہ اس کی پالیسی کی وجہ سے سابق سوویت یونین میں چرچ کو آزادی ملی اور مقفل چرچ دوبارہ کھول دئے گئے۔

پہلے یہاں کی رسم کے مطابق بعض خاص تقریبات ہوئیں میری سیٹ کا نمبر ۱۱ تھا اور گورباچیف کا نمبر ۱۴۔ گورباچیف اپنی اہلیہ کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے۔ وہ پہلی صف میں میرے قریب پہنچے تو مجھ سے اور چند لوگوں سے مصافحہ کیا۔ ان کا چہرہ بظاہر سوکھا ہوا تھا۔ تاہم انھوں نے مصافحہ کرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔ جب میں نے گورباچیف کو قریب سے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک دیکھے ہوئے شخص کو دیکھ رہا ہوں۔ کیوں کہ اخباروں کی تصویریں میں بار بار میں ان کو دیکھ چکا تھا۔ مجھے قرآن کی وہ آیت یاد آئی کہ وأتوا به متشابها (البقرہ ۲۵) میں نے اس سے پہلے گورباچیف کو نہیں دیکھا تھا مگر میں نے ان کی تصویر کو دیکھا تھا۔ اسی طرح اہل جنت نے اگرچہ اس سے پہلے

جنت کو نہیں دیکھا ہو گا مگر انھوں نے اس کی تصویر کو دیکھا ہو گا۔ موجودہ دنیا کی ہر نعمت دراصل نعمت جنت کی ایک تصویر ہے۔

آخر میں گورباچیف نے روسی زبان میں تقریر کی۔ میں نے اس کا انگریزی ترجمہ سنا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ آج کی دنیا کی طاقت ہتھیار نہیں ہے بلکہ ریزن ہے۔ یہ بات ایک ایسا شخص کہہ رہا تھا کہ جو تاریخ کے ہولناک ترین ہتھیاروں کا مالک رہ چکا ہے۔

کانفرنس میں ایک عرب شیخ سے ملاقات ہوئی۔ فلسطینیوں کی طرف سے اسرائیل کے اعتراف کا ذکر ہوا۔ انھوں نے کہا کہ تمام عرب ممالک اس پر چپ ہیں۔ کسی نے بھی اس کی مذمت نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راضی ہیں۔ انھوں نے پرمسرت چہرہ کے ساتھ کہا: انا فرحان، واللہ انا فرحان (میں خوش ہوں، بخدا میں خوش ہوں) اس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی کہ پچاس سالہ ٹکراؤ کے نتیجے میں ان کا سب کچھ کھو یا گیا تھا۔ ان کے لئے نہ امن تھا، نہ رہنے کی جگہ اور نہ معاش کا انتظام۔ ایسی حالت میں ان کے لئے کوئی اور صورت باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے پوچھا کہ کیا آپ کے نام کے ساتھ آپ کی اس رائے کو اپنے سفر نامہ میں لکھ سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں نہیں (لا لا)

مجھ میں اور دوسروں میں یہی فرق ہے۔ میں جو حالات سے موافقت کی بات کرتا ہوں وہ کسی بھی درجہ میں تنہا میری رائے نہیں ہے۔ وہی تمام باشعور مسلمانوں کے دل کی آواز ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسرے لوگ صرف نجی ملاقاتوں میں اس کا ذکر کرتے ہیں، وہ اس کے لئے اعلان کی ہمت نہیں کرتے۔ جب کہ میرا معاملہ یہ ہے کہ جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے وہی میری زبان پر بھی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس دہرے معیار کا تحمل نہیں کر سکتا کہ میرے دل میں کچھ اور ہو اور میری زبان پر کچھ اور۔

۲۸ ستمبر کو کانفرنس کے تمام شرکا چھ گروپ میں بانٹ دئے گئے۔ ہر گروپ کے لئے الگ الگ موضوع مقرر کر دیا گیا۔ یہ پروگرام یہاں کی مشہور کیتھولک یونیورسٹی میں تھا۔ یونیورسٹی کے طلبہ نیز شہر کے لوگ بڑی تعداد میں ان پروگراموں میں شریک ہوئے۔ ایک گروپ کا موضوع وسط ایشیا میں امن تھا۔ میں اس میں شریک ہوا۔

اس میں مختلف ملکوں کے یہودی علما بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ ایک یہودی ربی نے کہا کہ واشنگٹن میں اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان امن کا جوعمل شروع ہوا وہ بہت مشکل ہے تاہم امید ہے کہ خدا کی مدد سے امن کی کوشش کرنے والے اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گے:

By the help of God, peace makers will make it.

۲۰ ستمبر کو شام کا کھانا میلان کے پرانے قلعہ میں تھا۔ یہ قلعہ چودھویں صدی عیسوی میں بنایا گیا تھا مگر ابھی تک وہ نہایت اچھی حالت میں ہے۔ اس میں ایک میوزیم قائم ہے۔

یہاں مختلف لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک دکتور کمال الشریف تھے جو اردن سے آئے تھے۔ وہ فرانسیسی زبان جانتے تھے۔ انھوں نے فرانس کے مشہور مصنف اینڈرے مالراکس (Andre Malraux) کے بارہ میں بتایا کہ اس نے کہا ہے کہ اکیسویں صدی یا تو مذہبی صدی ہوگی یا سرے سے اس کا وجود ہی نہ ہوگا:

القرن الواحد والعشرون اما ان یکون قرن الدین او لا یکون

یہ بات نہایت درست معلوم ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ حالات بظاہر پہلے امکان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ کیوں کہ ساری دنیا میں بہت بڑے پیمانہ پر مذہب کا احیاء جاری ہے۔ حالات انسان کو تیزی سے مذہب کی طرف لے جا رہے ہیں۔ پہلے مرحلے میں بظاہر ہر مذہب ابھرے گا۔ اس کے بعد انسان صحیح تر مذہب کی تلاش کرنا چاہے گا۔ اور یہ دوسری کوشش اس کو "دین محفوظ" تک پہنچانے کا سبب بن جائے گی۔

۲۱ ستمبر کی صبح کو دوبارہ مجھے چھ پینل میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ میں نے اس پینل کا انتخاب کیا جو بوسنیا کے مسئلہ پر تھا۔ ہال میں پہنچا تو وسیع ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ غالباً آج سب سے زیادہ لوگ اس کو سننے کے لئے آئے تھے۔ حاضرین میں سے کثیر تعداد شہر کے لوگوں کی تھی۔

مختلف لوگوں نے تقریریں کیں۔ زیادہ تر تقریریں انگریزی میں ہوئیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ بوسنیا کا مسئلہ یورپ کی امیج کے لئے فنڈمنٹل الجبرا کے ہم معنی ہے۔ یہ کوئی مذہبی مسئلہ نہیں

بوسنیا کی ٹریجڈی کا کچھ بھی تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ اسلام سولھویں صدی میں بوسنیا میں پھیلا۔ ایک صاحب نے کہا کہ :

It is nothing to do with the gospel. It is not a religious conflict; but a political one..

ایک صاحب نے کہا کہ مارشل ٹیٹو نے ساری دنیا کو دھوکہ دیا۔ اس نے پورے یوگوسلاویہ کو ایک نیشن بتایا۔ حالاں کہ وہاں مختلف گروہ تھے، کوئی ایک نیشن نہیں تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ بوسنیا میں آرمی پوری طرح سرب کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مسئلہ اس لئے اتنا بڑھا کہ آرمی سب کی سب سرب پر مشتمل ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ کیتھولک چرچ مسلمانوں کے خلاف نہیں ہے۔ وہ صرف زیادتی (atrocity) کے خلاف ہے۔ ایک پادری نے کہا کہ بوسنیا میں صرف مسلمان ہلاک نہیں ہو رہے ہیں بلکہ کرسچین بھی بڑی تعداد میں ہلاک ہو رہے ہیں۔ انھوں نے جذباتی انداز میں کہا :

Where is the conscience of mankind.

ایک پادری نے کہا کہ میں اپنے گھر میں عبادت اور دعا میں مشغول تھا کہ مسلح افراد کا ایک گروہ میرے گھر میں داخل ہوا۔ انھوں نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ میں نے کہا کہ میں دعا کر رہا ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ کس کے لئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اے میرے بچو، تمھارے لئے۔ وہ لوگ باہر نکلے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کو چھوڑ دو۔ انھیں کچھ نہ کہو۔ ان کو یقین نہیں تھا کہ کوئی اپنے دشمن کے لئے نیک دعا کر سکتا ہے۔ وہ لوگ واپس چلے گئے۔

اس کانفرنس میں بوسنیا کے ایک عالم شیخ یعقوب سیلموسکی بھی شریک تھے۔ آجکل وہ مقدونیہ (Macedonia) میں مقیم ہیں۔ وہ ادھیڑ عمر کے ہیں اور روانی کے ساتھ عربی زبان بولتے ہیں۔ ان کا مقدونیہ کا ٹیلیفون نمبر یہ ہے: 38-91-255650 انھوں نے عربی میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

مارچ ۱۹۹۲ میں بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف ظلم شروع ہوا۔ بوسنیا کی حیثیت پہلے منطقہ عسکریہ کی تھی۔ چنانچہ وہاں نہایت طاقت ور یوگوسلاوی فوج موجود تھی جس میں بیشتر سرب سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ یورپ کی پانچویں سب سے بڑی فوج تھی۔ ہر یورپی ملک میں مسلمان موجود ہیں۔ مگر بوسنیا و ہرسک میں یورپ کو مسلمانوں کا وجود برداشت نہیں۔ کیوں کہ ہم وہاں عالم اسلامی کا جزء

لاتجزی بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ آغاز جنگ سے پہلے یہاں دو ملین مسلمان تھے۔ یورپ یہاں کے مظلوم مسلمانوں کو مقابلہ کی اجازت بھی نہیں دے رہا ہے۔ غیر سربیوں کو ختم کرنا، یہ سرب کا مقصد ہے۔ موجودہ آرمی جو کیمونسٹ دور میں بنی تھی اس میں بیشتر افراد ملحد اور مذہب مخالف ہیں۔

شیخ یعقوب سلیموسکی کی جذباتی تقریر کو تمام حاضرین آلات کے ذریعہ انگریزی اور اطالوی زبان میں سن رہے تھے۔ انھوں نے تقریر ختم کی تو ہال میں دیر تک تالیاں بجتی رہیں۔ کسی اور کی تقریر پر اتنی تالی نہیں بجی۔ انھوں نے کہا: مجھے یقین ہے کہ یہ تالیاں ہمارے نقطۂ نظر کی پرجوش تائید کر رہی ہیں۔

۲۲ ستمبر کو آخری اجلاس تھا۔ صبح سے دوپہر تک کے اجلاس میں لوگوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ اور آخر میں امن کے قیام کے موضوع پر تجویز پیش ہوئی اور منظور ہوئی۔

دوپہر بعد حسب روایت "پریر" کی تقریب تھی۔ یعنی امن کے قیام کے لئے اجتماعی دعا۔ مختلف مذہب کے لوگوں کے لئے الگ الگ جگہیں متعین کی گئی تھیں۔ ہمیں ایک چرچ تک پہنچایا گیا۔ یہاں چرچ کی عمارت کے وسیع حصہ کو خالی کر کے مسجد کے انداز میں بنایا گیا

امن عالم کے لئے یہ ساتویں انٹرنیشنل میٹنگ تھی۔ اس سے پہلے اس قسم کی میٹنگ اسپین، روم، وارسا، باری، مالٹا، بروسیلز میں ہو چکی ہے۔ اب یہ ساتویں میٹنگ میلان (اٹلی) میں ہوئی ہے۔ ان عالمی اجتماعات میں مخصوص تقریب کے دوران اس کے شرکا امن کی اپیل پر دستخط کرتے ہیں۔

شیخ یعقوب سلیموسکی کا پتہ یہ ہے:

S. Selimoski Yakub, Rijpset Islamike Ajednice, Sarajeyo (B.H.)

۲۲ ستمبر ۱۹۹۳ کو میلان کے جس وسیع مکان میں مسلمانوں کے لئے اجتماعی عبادت کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ اس کے ایک کمرہ میں کانفرنس کے مسلم شرکا جمع ہوئے۔ سب کی فرمائش پر شیخ یعقوب سلیموسکی نے بوسنیا کے موجودہ حالات پر ایک تقریر کی۔ یہاں سامعین سب مسلمان تھے۔ ابتدائی تقریر میں انھوں نے صرف مسلمانوں پر ہونے والے مظالم بیان کئے۔ تقریر کے بعد لوگوں نے سوالات کئے۔ سوال وجواب کے دوران انھوں نے کئی نئی باتیں بتائیں۔

ایک شخص نے کہا کہ موجودہ حالات کا تقابل ماضی کے حالات سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بوسنیا کے مسلمانوں نے بہتر حالت سے بری حالت کی طرف چھلانگ لگائی ہے۔ شیخ نے اقرار کیا اور کہا کہ ہاں، لوگوں نے غلطیاں بھی کیں (طبعا كانت هناك اخطاء)۔ انھوں نے کہا کہ جنگ چھڑنے سے پہلے وہاں جذباتی تحریک (حركة عاطفية) پائی جا رہی تھی نہ کہ عقلی تحریک (حركة عقلية)۔ مسلمانوں کے پاس کوئی عسکری طاقت نہ تھی جب کہ بوسنیا میں نہایت طاقتور سرب فوج موجود تھی۔ اسی فوج نے اعلان آزادی کے بعد مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔

شیخ یعقوب کی تقریر سننے کے بعد میں نے ایک عرب عالم (شیخ سکوتہ) سے کہا کہ جب بوسنیا میں سرب کی طاقت ور فوج موجود تھی اور مسلمانوں کے پاس کوئی طاقت نہ تھی تو انھوں نے حالات کا لحاظ کیے بغیر آزادی کا اعلان کیوں کر دیا۔ شیخ نے کہا (غفلة كبيرة)

میلان میں ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس میں چرچ بھی ہے اور اس کے علاوہ مختلف قسم کی سماجی اور معاشی اور تعلیمی سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس میں اسی ہزار طلبہ کے قیام کا انتظام ہے۔ اس م یہ ہے:

Parrocehia S. Giovanni B. alla Creta

ان کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ اپنے یہاں ایک خطاب رکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہاں کے عیسائی لوگ اسلام کے بارہ میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ آپ آکر انھیں بتائیں کہ اسلام کیا ہے۔ میں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔

۲۱ ستمبر کی شام کو فادر تارونی (Massimiliano Taroni) اپنے وقت پر آگئے۔ ان کے ساتھ ہم تین آدمی روانہ ہوئے۔ میں، ثانی اثنین اور ڈاکٹر اندریا دلوکا۔ رات کا کھانا ان کے یہاں کھایا گیا۔ کھانا اور ڈائننگ ہال اور اس کی ہر چیز سادہ مگر انتہائی صاف ستھری تھی۔ کھانے کے بعد ان کے ہال میں پروگرام ہوا۔ پورا ہال مکمل طور پر بھرا ہوا تھا۔ یہ پروگرام اچانک بنا تھا۔ میں نے ۲۰ ستمبر کی شام کا اجلاس چھوڑ دیا۔ اور اپنے کمرہ میں بیٹھ کر پانچ صفحہ پر مشتمل انگریزی میں ایک تقریر تیار کی۔ اس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کی سادہ تشریح کی گئی تھی۔ لوگوں نے غیر معمولی دلچسپی لی۔ میری تقریر سن کر کئی لوگوں نے فوری طور پر فوٹو کاپی کر کے حاصل کیا۔

یکساں سول کوڈ

دلائل وحقائق کی روشنی میں

مولانا وحید الدین خان

بحث کے ذیلی عنوانات

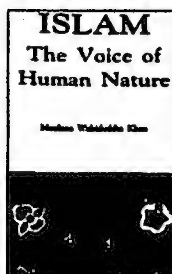
دستور : غیر ضروری طوالت
نہرو رپورٹ ۱۹۲۸
سپریم کورٹ کا فیصلہ
دستور کی دفعہ ۴۴ برائے یونیفارم سول کوڈ
مذہب اور پرسنل لا کا تعلق
کامن کوڈ اور قومی ایکتا
باہمی تفریق انگریزوں کی دین
یکساں سول کوڈ یکسانیت کا ذریعہ نہیں
دانشوران قوم کا صحافتی رد عمل
گرو گولوالکر کی اختلافی رائے

فطرت کے خلاف
ایک ناقابل عمل تجویز
قانون کی محدودیت
تبدیلیٔ مذہب کا مسئلہ
دستور کی دفعہ ۴۴ قابل حذف
یونی کلچر نہیں بلکہ ملٹی کلچر
اضافۂ آبادی محض ایک ہوّا ہے
خواتین کا مسئلہ مساوات کا نہیں بلکہ ایڈجسٹمنٹ کا
ہندو برادریوں کا رواج ایک نہیں
اصل اہمیت کا کام تعلیم ہے

قیمت فی کاپی ۵ روپے
زیادہ تعداد کے لیے خصوصی کمیشن

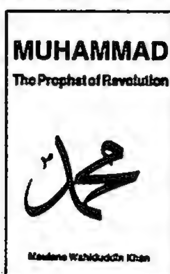
پتہ :
الرسالہ بک سنٹر، ۱۔ نظام الدین ویسٹ مارکیٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

The Islamic Centre Publications



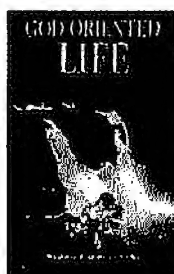
ISLAM: THE VOICE OF HUMAN NATURE

22×14.5cm, 64 pages
ISBN 81-85063-74-5
Rs. 30



MUHAMMAD: THE PROPHET OF REVOLUTION

22×14.5cm, 228 pages
ISBN 81-85063-00-1
Rs. 85



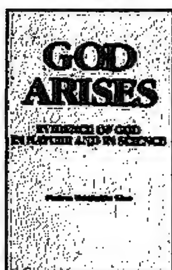
GOD-ORIENTED LIFE

22×14.5cm, 186 pages
ISBN 81-85063-97-4
Rs. 70



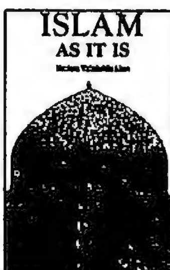
WOMAN IN ISLAMIC SHARI'AH

22×14.5cm, 150 pages
Rs. 65 (Paperback)
Rs. 185 (Hardbound)



GOD ARISES

22×14.5cm, 271 pages
ISBN 81-85063-14-1
Rs. 85



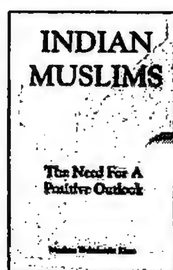
ISLAM AS IT IS

22×14.5cm, 114 pages
ISBN 81-85063-95-8
Rs. 55



RELIGION AND SCIENCE

22×14.5cm, 96 pages
Rs. 45



INDIAN MUSLIMS

22×14.5cm, 192 pages
Rs. 65 (Paperback)
Rs. 175 (Hardbound)

'INTRODUCTION TO ISLAM' SERIES

In this 'Introduction to Islam' series Maulana Wahiduddin Khan—a famous Islamic thinker and scholar and President of the Islamic Centre, New Delhi—has presented the fundamental teachings of Islam in a simple way. The complete series is as follows:

1. The Way to Find God (20 pages; Rs. 12)
2. The Teachings of Islam (46 pages; Rs. 15)
3. The Good Life (36 pages; Rs. 12)
4. The Garden of Paradise (38 pages; Rs. 15)
5. The Fire of Hell (44 pages; Rs. 15)

The series provides the general public with an accurate and comprehensive picture of Islam—the true religion of submission to God. In the first pamphlet it is shown that the true path is the path that God has revealed to man through His prophets. The second pamphlet provides an introduction to various aspects of the Islamic life under forty-five separate headings. Qur'anic teachings have been summarized in the third pamphlet in words taken from the Qur'an itself. In the fourth pamphlet the life that makes man worthy of paradise has been described and in the last pamphlet the life that will condemn him to hell-fire.

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013 Tel. 4611128 Fax: 11-4697333

خبرنامہ اسلامی مرکز ۱۰۲

۱ ہندی اخبار دینک ہندستان کے نمائندہ مسٹر اشوک کنکر نے ۱۱ مئی ۱۹۹۵ ٹیلیفون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سپریم کورٹ کے کامن سول کوڈ کے حالیہ فیصلہ کے بارہ میں کہا گیا کہ اس قسم کا مقصد قانون سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ سماجی تبدیلی سے حاصل ہوتا ہے۔ جس قانون کو قبول کرنے کے لئے سماج تیار نہ ہو وہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے صرف برائی میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

۲ ۱۱ مئی ۱۹۹۵ کو مسٹر راجندر کمار شرما دوردرشن کی ٹیم لے کر مرکز میں آئے اور صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر چرار شریف (کشمیر) کی آتش زدگی سے تھا۔ جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ جس نے بھی یہ کام کیا ہے بہت برا کیا ہے۔ یہ درگاہیں روحانیت اور انسانی محبت کے مراکز ہیں۔ ان کو سیاسی ہنگاموں سے دور رکھنا چاہئے تاکہ آئندہ اس قسم کے حادثے نہ پیش آئیں۔

۳ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی نے ۱۳ مئی ۱۹۹۵ کو صدر اسلامی مرکز کی آدھ گھنٹہ کی بات چیت نشر کی۔ اس میں ان کے ساتھ پروفیسر ریاض پنجابی شریک تھے۔ بات چیت کا موضوع کشمیر کی چار سو سالہ درگاہ چرار شریف کو جلا کر راکھ کر دینا تھا۔ گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ شیخ نورالدین نورانی ایک صوفی تھے۔ ان کا مشن ہندو مسلم کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنا تھا۔ وہ سیاست اور تشدد سے بہت دور تھے۔ ایسی حالت میں ان کی درگاہ کو جنگجویانہ سیاست کا اڈہ بنانا سخت غلط تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۱ مئی کو یہ درگاہ مع بستی کے جلادی گئی۔

۴ انگریزی روزنامہ ٹیلی گراف کی نمائندہ مسز سونا ٹھاکر نے ۱۲ مئی ۱۹۹۵ کو ٹیلیفون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ اس کا تعلق سپریم کورٹ کے اس حالیہ فیصلہ سے تھا جس میں حکومت ہند کو کامن سول کوڈ بنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ بالکل غیر عملی فیصلہ ہے، اور غیر عملی فیصلہ ہمیشہ مسائل میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ کبھی

مسائل کو حل نہیں کرتا۔

۵ ٹائمس آف انڈیا کے نمائندہ مسٹر عسکری زیدی نے ۱۲ مئی ۱۹۹۵ کو ٹیلیفون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق سپریم کورٹ کے تازہ فیصلہ سے تھا جس میں حکومت ہند کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کامن سول کوڈ بنائے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ دستور کی دفعہ ۴۴ بلاشبہ کامن سول کوڈ کی تجویز کرتی ہے۔ مگر اسی دستور کی دفعہ ۲۵ مذہبی آزادی بھی دے رہی ہے۔ نکاح کا مسئلہ خالص ذاتی نوعیت کا ایک مذہبی معاملہ ہے۔ اگر اس کی بھی آزادی نہ ہو تو دستور میں مذہبی آزادی کی دفعہ بے معنی ہو جاتی ہے۔

۶ یونین آف کیتھولک ایشین نیوز (Union of Catholic Asian News) کے نمائندہ مسٹر اینٹو اکارا (Antoakkara) نے ۱۳ مئی ۱۹۹۵ کو ٹیلیفون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر یونیفارم سول کوڈ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ سیکولرزم کا مطلب لامذہبیت نہیں ہے۔ چنانچہ ہندستان کا دستور ایک سیکولر دستور ہے۔ اسی کے ساتھ اس میں مذہب کی آزادی بھی دی گئی ہے۔

۷ مسٹر اشوک رائنا اور ان کی ٹیم ۱۶ مئی ۱۹۹۵ کو مرکز میں آئی اور دور درشن کے لئے صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر کشمیر کے معاملہ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ خود کشمیریوں کے محبوب شاعر اقبال نے کہا ہے کہ : چین و عرب ہمارا ہندستاں ہمارا۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا۔ پھر کشمیری چند سیاسی کلیوں کے لئے کیوں لڑ رہے ہیں۔ انھیں سارے ہندستان کو اپنا ملک سمجھنا چاہئے اور وسیع تر دائرہ میں پر امن طور پر اپنی تعمیر و ترقی کا کام کرنا چاہئے۔

۸ پی ٹی آئی کی نمائندہ مسز الینا نے ۷ مئی ۱۹۹۵ کو ٹیلیفون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ سے تھا جس میں کامن سول کوڈ کی بات کہی گئی ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ اس قسم کے معاملات کا تعلق قانون سے نہیں ہوتا بلکہ سماجی روایات سے ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں سول میرج ایکٹ موجود

ہے۔ مگر ایک فیصد ہندو بھی اس کے تحت شادی نہیں کرتے۔ ان کی ۹۹ فیصد سے زیادہ شادیاں ہندو میرج ایکٹ کے تحت ہوتی ہیں۔ کیوں کہ ہندو سماج ابھی سول میرج کے لئے تیار نہیں۔

9. دوردرشن کی ٹیم ۷ امئی ۱۹۹۵ کو مرکز میں آئی اور صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق ٹاڈا قانون کے خاتمہ سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ صرف ٹاڈا کو ختم کرنے سے ظلم ختم نہیں ہوسکتا۔ ظلم کو ختم کرنے کے لئے پورے سسٹم کی اصلاح ضروری ہے۔ موجودہ کرپٹ سسٹم کے باقی رہتے ہوئے ظلم کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔

۱۰. نیوز لیڈر (الٰہ آباد) اور نئی زمین (دہلی) کی نمائندہ مسز شاداں احمد نے ۱۸ مئی ۱۹۹۵ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر کامن سول کوڈ کے مسئلہ سے تھا۔ ایک سوال یہ تھا کہ کیا یہ شریعت میں مداخلت ہے۔ جواب دیا گیا کہ مداخلت کا سوال تو اس وقت ہے جب کہ وہ زیر عمل آئے۔ موجودہ حالات میں تو وہ سرے سے قابل عمل ہی نہیں۔

۱۱. راشٹریہ سہارا (ہندی) کے نمائندہ مسٹر راکیش آریہ نے ۱۸ مئی ۱۹۹۵ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے مسائل سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مسلمانوں کے پچھڑے پن کا سبب خود مسلمانوں کی نام نہاد لیڈر شپ ہے۔ یہ لیڈر شپ اپنی سوچ میں زمانہ سے پچھڑی ہوئی ہے۔ وہ کامپیٹیشن کے دور میں ریزرویشن کی اصطلاحوں میں سوچتی ہے۔ اسی چیز نے مسلمانوں کو ہر میدان میں پیچھے کر دیا۔

۱۲. جن ستہ پارٹی کی دعوت پر ۱۹ مئی ۱۹۹۵ کو صدر اسلامی مرکز نے گوڑگاؤں (ہریانہ) کا سفر کیا اور وہاں ایک میٹنگ سے خطاب کیا۔ خطاب کا موضوع یہ تھا کہ ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ اس پارٹی کے صدر جسٹس دیبی سنگھ تیوتیا ہیں۔

۱۳. ۲۰ مئی ۱۹۹۵ کو کانسٹی ٹیوشن کلب (نئی دہلی) میں دھرم چاریہ سمیلن ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور تفریقی سیاست کی برائی پر ایک تقریر کی۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اُردو	Rs.
تذکیر القرآن جلد اول	200/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-
اللہ اکبر	45/-
پیغمبر انقلاب	40/-
مذہب اور جدید چیلنج	45/-
عظمتِ قرآن	50/-
عظمتِ اسلام	50/-
عظمتِ صحابہ	7/-
دینِ کامل	50/-
الاسلام	40/-
ظہورِ اسلام	70/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاءِ اسلام	40/-
رازِ حیات	50/-
صراطِ مستقیم	40/-
خاتونِ اسلام	50/-
سوشلزم اور اسلام	70/-
اسلام اور عصرِ حاضر	50/-
الربانیہ	40/-
کاروانِ ملت	45/-
حقیقتِ حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	25/-
حدیثِ رسول	35/-
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85/-
سفرنامہ (ملکی اسفار)	-
میوات کا سفر	35/-
قیادت نامہ	-
راہِ عمل	25/-
تعبیر کی غلطی	95/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-
امہات المومنین	20/-
عظمتِ مومن	7/-
اسلام ایک عظیم جدوجہد	3/-

تاریخ دعوتِ حق	5/-
مطالعۂ سیرت	12/-
ڈائری جلد اول	100/-
کتابِ زندگی	55/-
انوارِ حکمت	-
اقوالِ حکمت	25/-
تعمیر کی طرف	8/-
تبلیغی تحریک	20/-
تجدیدِ دین	35/-
عقلیاتِ اسلام	50/-
مذہب اور سائنس	-
قرآن کا مطلوب انسان	8/-
دین کیا ہے	5/-
اسلام دینِ فطرت	7/-
تعمیرِ ملت	7/-
تاریخ کا سبق	7/-
فسادات کا مسئلہ	5/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	8/-
تعارفِ اسلام	5/-
اسلام پندرھویں صدی میں	10/-
راہیں بند نہیں	12/-
ایمانی طاقت	7/-
اتحادِ ملت	7/-
سبق آموز واقعات	7/-
زلزلۂ قیامت	20/-
حقیقت کی تلاش	12/-
پیغمبرِ اسلام	5/-
آخری سفر	7/-
اسلامی دعوت	7/-
خدا اور انسان	12/-
حل یہاں ہے	10/-
سچا راستہ	8/-
دینی تعلیم	12/-
حیاتِ طیبہ	7/-
باغِ جنت	7/-

نارِ جہنم	7/-
خلیج ڈائری	10/-
رہنمائے حیات	7/-
مضامینِ اسلام	45/-
تعددِ ازواج	10/-
ہندستانی مسلمان	40/-
روشن مستقبل	7/-
صومِ رمضان	12/-
علمِ کلام	9/-
اسلام کا تعارف	2/-
علماء اور دورِ جدید	8/-
سیرتِ رسول	10/-
ہندستان آزادی کے بعد	1/-
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	7/-
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	4/-
منزل کی طرف	2/-
الاسلام یتحدی (عربی)	85/-

ہندی

سچائی کی تلاش	8/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
پیغمبرِ اسلام	4/-
سچائی کی کھوج	10/-
آخری سفر	8/-
اسلام کا پریچے	8/-
پیغمبرِ اسلام کے مہان ساتھی	8/-
راستے بند نہیں	7/-
جنت کا باغ	8/-
بہو پتنی واد اور اسلام	10/-
اتہاس کا سبق	9/-
اسلام ایک سوابھاوک مذہب	8/-
اجول بھوشیہ	8/-
پوتر جیون	8/-
منزل کی اور	3/-

God Arises	Rs. 85/-
Muhammad: The Prophet of Revolution	85/-
Islam As It Is	55/-
God-Oriented Life	70/-
Religion and Science	45/-
Indian Muslims	65/-
The Way to Find God	12/-
The Teachings of Islam	15/-
The Good Life	12/-
The Garden of Paradise	15/-
The Fire of Hell	15/-
Man Know Thyself!	8/-
Muhammad: The Ideal Character	5/-
Tabligh Movement	25/-
Polygamy and Islam	10/-
Words of the Prophet	–
Islam: The Voice of Human Nature	30/-
Islam: Creator of the Modern Age	55/-
Woman Between Islam and Western Society	95/-
Woman in Islamic Shari'ah	65/-
Hijab in Islam	20/-

آڈیو کیسٹ	Rs.
حقیقتِ ایمان	25/-
حقیقتِ نماز	25/-
حقیقتِ روزہ	25/-
حقیقتِ زکوٰۃ	25/-
حقیقتِ حج	25/-
سنتِ رسول	25/-
میدانِ عمل	150/-
رسول اللہ کا طریقِ کار	25/-
اسلامی دعوت کے	25/-
جدید امکانات	25/-
اسلامی اخلاق	25/-
اتحادِ ملت	25/-
تعمیرِ ملت	25/-
نصیحتِ لقمان	25/-

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013, Tel 4611128, Fax 4697333

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر



Delhi Postal Regd. No. DL/11154/95